برگِ سخن

سیّدہ رابعہ نہاں



برگِ سخن

مجموعۂ غزلیات

تقدیم

میری تحسین کے روشن کیے دُنیا نے چراغ
جستجو جس کی تھی مجھ کو وہ اُجالا نہ ملا
نگہِ قدر و عقیدت ہے بڑی چیز مگر
میری نظروں سے مجھے دیکھنے والا نہ ملا

ویران زندگی میں کھِلا کر سخن کے پھُول
ہم نے خزاں میں رنگ بھرے ہیں بہار کے

برگِ سخن

سیّدہ رابعہ نہاں

سنگِ میل پبلی کیشنز
چوک اُردو بازار ○ لاہور

قیمت:
پندرہ روپے

کتابت:
نبیل احمد خاں

مطبع:
منظور حسین
منظور پرنٹنگ پریس، لاہور

طابع:
نیاز احمد
سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

اِنتساب

جواں مرگ بھائی سیّد فخر الاسلام کے نام

جس نے مجھے کھُلّم کھُلّا شعر کہنے اور شعر سُنانے کا حوصلہ دیا

حیراں ہے فخرؔ ذوقِ تماشا ترے بغیر
کیا کیا مذاقِ زیست ہے رُسوا ترے بغیر

رابعہ نہاںؔ



ترتیب

تحسین

جوشؔ ملیح آبادی

میں محترمہ رابعہ نہاںؔ کا اس قدر مدّاح ہوں کہ انھیں، عصرِ حاضر کی رابعۂ بصری خیال کرتا ہوں۔ یہ قابلِ صد قدر خاتون میرٹھ کے اُس مقتدر خاندان کی پروردہ ہیں جس کے ہندوستان میں ڈنکے پٹے ہوئے ہیں۔

جہاں تک ہمارے بزرگوں کی قدیم غزل گوئی کا تعلق ہے، اُس قلزمِ بیکراں میں ان کی شخصیت اُس منارۂ عظیم کی سی ہے، جو بہت دُور سے دِکتا نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری ان کی محروم زندگی کا وہ آئینہ ہے، جس میں ان کے آنسو جھلک رہے ہیں اور ان کے لہجے میں ایک ایسا دل دھڑک رہا ہے، جس کی کوئی مراد کبھی نکلی ہی نہیں۔

چاہئے تو یہ تھا کہ میں ان کے اشعار نقل کرکے اُن کے جوہر بیان کرتا، مگر بدقسمتی سے اس قدر مشغول رہتا ہوں کہ یہ سعادت حاصل نہیں کرسکتا۔

محترمہ نے اپنی پوری زندگی، اور ساری جوانی تج دی، اپنے بیمار بھائیوں کی تیمارداری میں، اپنا گھر نہیں بسایا۔ دوسروں کے گھروں میں چراغ جلاتی رہیں اور ان کے دل کی یہی گداختگی اور ان کی یہی عدیم النظیر قربانی، ان کی شاعرانہ عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہے ؎

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق ✣ ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

کی مصداق ہے ان کی عظیم شخصیت۔

صد شکر کہ ان کا دیوان چھپ رہا ہے، جو نہاں کے جوہر عیاں کرے گا، اور ان کا نام قیامت تک باقی رہے گا۔

اسلام آباد
۲۱-۵-۷۶

تقریظ

سجاد باقر رضوی

رابعہ نہاں کا مجموعۂ کلام آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اِس لئے ان کا معاملہ براہِ راست آپ سے ہے۔ پھر میں کون ہوں؟ یہ بات تو آپ کے عام مشاہدے کی ہے کہ جب بعض اہم آدمیوں کی تصویر اُترتی ہے تو کئی لوگ اُن کے پیچھے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر اور گردن اونچی کر کے اپنی تصویر بھی کھنچوا لیتے ہیں۔ میں ایسے ہی لوگوں میں سے ایک ہوں۔ "مدّاحین" بڑے کام کی "شے" ہوتے ہیں۔ یہ اپنے "ممدوح" کے لئے اچھی اچھی آرا اور عمدہ عمدہ خیالات ہر طرف بکھیرتے رہتے ہیں۔ پھر اگر موقع بہ موقع اپنے ممدوح کے پیچھے گردن نکال کر اپنی تصویر کھنچوا لیں تو کیا حرج ہے۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ شاعر کا معاملہ اپنے قاری سے براہِ راست ہوتا ہے۔ اِس لئے کہ شعر یا تو جواب ہوتا ہے اُن سوالوں کا جو ہمارے ذہنوں میں مضطرب کھڑے رہتے ہیں یا پھر سوال ہوتا ہے ان جوابوں کے لئے جو ذہن کے کسی کونے میں منہ چھپائے پڑے ہوتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں پیش لفظ یا تعارف کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی اس لئے کہ ہر سوال اپنے جواب کا اور ہر جواب اپنے سوال کا خود ہی متلاشی ہوتا ہے۔ زندگی میں سوال و جواب کی باہمی ملاقات "تجربہ" ہوتی ہے اور زندگی کا ہر تجربہ براہِ راست ہوتا ہے خواہ وہ شعر کا تجربہ ہو یا حسن و جمال کے کسی پیکر کا یا زندگی کی کسی اور اعلیٰ قدر کا۔

البتہ تجربے کی سطح سے نیچے ایک اور مقام ہوتا ہے اور وہ ہے تجربے کی نوعیت کو سمجھنے کا۔

اس سلسلے میں بھی قاری بڑی حد تک خود کفیل ہوتا ہے البتہ کسی حد تک اُسے بعض اشارے مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ یہ اشارے تجربے کی بڑی روشنی کے گرد تاریکیوں کے ہالے ہوتے ہیں تاکہ روشنی کی آب و تاب زیادہ نمایاں ہو سکے۔

میں آپ کے سامنے ایسے ہی چند اشارے پیش کرتا ہوں جن سے رابعہ نہاں کی شاعری کا تجربہ، جو یقیناً آپ کا اپنا تجربہ ہے، اپنے تاریک پس منظر میں زیادہ روشن ہو سکے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ رابعہ نہاں غزل کی شاعرہ ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ غزل کا بنیادی موضوع عشق ہے۔ مگر یہ عشق وہ نہیں ہے جس کے بارے میں فرانس کے ایک مشہور ادیب کامیو صاحب نے یہ کہا تھا کہ عشق وشق تو زندگی میں ایک یا دو بار ہو جاتا ہے اور بس! آج کا اصل مسئلہ تو سیاست ہے۔ مگر اُردو غزل کا عشق تو ایک طرزِ زیست ہے۔ پرانے بزرگ اسے پیشہ بھی کہتے تھے۔ مگر اُن کا یہ پیشہ آج کے پیشے سے مختلف تھا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ اس پیشہ میں پنشن نہیں ملتی۔ یہ زندگی کرنے کا وہ ڈھب ہے جس سے زندگی کو بھی معنی ملتے ہیں اور موت کو بھی۔ دنیا داری اور عاشقی دو مختلف چیزیں ہیں بقولِ مصطفٰی زیدی (مرحوم) ؎

اِک پیشہ عشق تھا سو عوض مانگ مانگ کر
رُسوا اُسے بھی کر گئی سوداگروں کی ذات

اس پیشے میں نہ عوضانہ ہے اور نہ کامیابی۔ کامیابی کا تصور اُنا پرست معاشرے کا تصور ہے سرمایہ دارانہ چالیں اور تاجرانہ لوٹ کھسوٹ اُنا پرست معاشرے میں ہی جنم لیتی ہیں۔ اُنا پرست معاشرے میں مذہب، اخلاق، سیاست، معیشت سب کی روح انا پرستی کا شکار ہو جاتی ہے۔ اب اپنے ارد گرد اُنا پرستی کا مشاہدہ کیجئے۔ کامیابی کے حصول کی کوششیں دیکھئے اور پھر رابعہ نہاں کے ان سوالوں پر غور کیجئے ؎

پوچھو یہ محبت سے کہ دنیائے عمل میں

ناکام جو ہو جائے وہ ناکام نہیں کیوں؟
معلوم تو ہو گا تجھے اَے دردِ محبت!
دل شکوہ طرازِ غمِ ایام نہیں کیوں؟

اب اگر آپ آپا دھاپی اور دھینگا مُشتی کے اس دور میں ایک ایسا طرزِ زیست اپنائیں جس میں یا حاصل کے بجائے ناحاصلی، کامیابی کے بجائے ناکامی، آسودگی کے بجائے ناآسودگی آپ کا سرمایۂ حیات بن جائے تو یہی عاشقی ہے اور یہی انا پرستی اور ہَوَس کاری کے رویّوں کو آپ کا مکمّل جواب۔ اب رابعہ نہاںؔ کا اعلان سُنئے ؎

میرا مسلک ہے محبت، میرا مذہب ہے وفا
میں نے اپنایا ہے کب اہلِ جہاں کا راستہ

دنیاداری (اِسی کو آپ ہَوَس کہہ لیجئے کہ ہمارے لئے عاشقی اور ہَوَس کے درمیان انتخاب کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ یا تو عاشق ہوں گے یا اہلِ ہَوَس۔ بہ الفاظ دیگر اگر آپ نے عشق کے رویّوں کو نہ اپنایا تو ہوس کاری آپ کا مقدر ہے۔) کی راہ کو چھوڑ کر محبت کا مسلک اپنانے کے معنی تمام انسانیت کی ذمّہ داری لینے کے ہیں۔ عشق، انفرادی معاملہ نہیں ہے، یہ آپ کا وہ اعلیٰ ترین انتخاب ہے جو آپ پوری انسانیت کے لئے کرتے ہیں۔ یہاں فرد فرد رہتے ہوئے اجتماعی زندگی کا آلۂ کار بن جاتا ہے اور یہی سطح ہے تخلیقِ انسانی کی اور اسی مفہوم میں ہر تخلیقی انسان "عاشق" بھی ہوتا ہے ؎

آنکھوں میں لے کے دہر کا غم جاگتے رہے
تاروں کی طرح رات کو ہم جاگتے رہے

رابعہ نہاںؔ نے اپنے دَور کی انا پرستی، خودغرضی اور منافقت کے رویّوں کو رد کر کے اپنے لئے عشق کی راہ چُن لی۔ اس راہ کے انتخاب نے اُنھیں زندگی کے ایک نئے مفہوم سے روشناس کیا ؎

قربان دردِ عشق و غمِ روزگار کے
محور یہی ہیں گردشِ لیل و نہار کے

محض زندگی ہی نہیں، اُن کے اس رویّے کے باعث زمین و آسمان کے معنی بھی دوسروں سے مختلف ہو گئے ؎

اہلِ ہوس سے دُور کہیں اِک جہاں بنا
اے دل نئی زمین نیا آسماں بنا

زندگی، زمین، آسمان — ان سب کے مفاہیم بدل جائیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ عاشق کی کائنات اہلِ ہوس کی کائنات سے مختلف ہوتی ہے۔ ان دو مختلف کائناتوں کے باسی ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔ رابعہ نہاں کی شاعری چاہے اور کچھ کرے یا نہ کرے اتنا ضرور ہے کہ وہ عشق کی دنیا کا پاسپورٹ ہے۔ اس دنیا میں داخل ہوں تو آپ کو طلسمات دیکھنے میں آئیں گے۔ سدا بہار مناظر، لطف دیں گے اور زندگی کا لامتناہی سلسلہ فنا سے بقا کی طرف جاتا دکھائی دے گا ؎

دل میں شعلے ہیں آنکھ میں آنسو
مرحبا! ساتھ آگ پانی کا

زخم دل کے سدا ہرے ہی رہے
اس چمن میں خزاں نہیں آئی

میرے آنسو بن گئے ماہ و نجوم و کہکشاں
اس قدر روشن کہاں تھا آسماں کا راستہ

---

(۲)

رابعہ نہاں کی شاعری کے سلسلے میں ایک چھوٹی سی بات کی طرف اور اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے یہاں شروع سے لے کر آخر تک ایک ملال کی کیفیت نظر آتی ہے۔ ہلکا ہلکا درد ہے، ہلکی ہلکی کسک ہے، آنسوؤں اور اُداسیوں کی فضا ہے۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ عورت ذات کے لئے یہ ملال بھری فضا، بالخصوص اپنے معاشرتی ڈھانچے میں، ایک فطری بات ہے۔ ہمارے ادب اور ہماری معاشرت میں عورت کو ایثار و قربانی کے مظہر کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھئے کہ عورت تخلیقی اصولِ زندگی کی علامت بھی ہے' یوں اس قربانی کا علامتی مفہوم تخلیق نے گلا گھوٹنا ہے۔ تاہم ایک عام معاشرتی سطح پر رابعہ نہاں کے گھُٹے گھُٹے احساسات ہمارے معاشرے کی عام عورت کے احساسات ہیں۔

ایک اور سطح پر دیکھئے تو دُکھ کی یہ فضا اور ملال کا یہ نقشہ، اُن کے اُس رویۂ زندگی کی دین بھی ہے جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ عشق لاحاصلی اور ناکامی کا دوسرا نام ہے۔ دُکھ اور اُداسی اس ناکامی و لاحاصلی کا حاصل ہے۔ اس میں بنجرپن کی کیفیتیں بھی ہیں اور تخلیقی سیل کی صورتیں بھی ؎

مری ویران آنکھوں میں سُلگتا
وہی غم کا دھُواں ہے اور میں ہوں

آنکھوں نے کیا کیا طوفاں اُٹھائے
جنگل بھرے اور دریا بہائے

رابعہ نہاں کی شاعری کا دھیما پن بھی متوسط طبقے کی عورت کے جذبات کا دھیما پن ہے۔ اِسے جذبات کی تہذیب بھی کہہ سکتے ہیں۔ مہذب جذبوں کی شاعری میں سارا

زور اقداری رویوں پر ہوتا ہے۔ اقدار کی شکست وریخت کے زمانے میں شعری مذاق بھی بدل جاتا ہے۔ نئے مذاق کے لوگ معتدل اقدار کے بجائے شدید جذبات کے متلاشی ہوتے ہیں۔ شدتِ اَنا اور غیر اَنا کی کشمکش اور ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر ایسے شاعر سے جس نے اَنا کو عشق کی بھینٹ چڑھا دیا ہو شدت کا تقاضا بے سود ہے۔ پس رابعہ نہاںؔ کی شاعری کا مطالعہ دھیمے جذبوں کی دھیمی آنچ میں پختہ اقدار کا مطالعہ ہے۔

اُن کی شاعری میں نئے پن کی تلاش بھی نہ کیجیے۔ قدری زندگی کے پرستار نت نئے جذبوں کی تلاش نہیں کرتے۔ وہ مانوس جذبوں سے مانوس اقدارِ حیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ رابعہ نہاںؔ کی شاعری انھیں معنوں میں اُردو غزل کی عظیم روایت کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اُن کے پاس انسانی اقدار ہیں جو اُنھیں ورثے میں ملی ہیں۔ صاف ستھری زبان ہے جو اُن کے خاندان کی شعری روایت کا ترکہ ہے ؎

دیوانہ ہے جانے کب مچل جائے
اِس دل کا نہ اعتبار کرنا

اب آپ یہی دیکھ لیجیے کہ اس سیدھے سے شعر میں زبان کی لطافت نے ضرب المثل بننے کی قوت پیدا کر دی ہے۔

ان چند چھوٹی چھوٹی باتوں سے میں نے ایک پس منظر بنا دیا ہے۔ پیش منظر آپ کے سامنے ہے، آپ شاعر سے براہِ راست مکالمہ کریں اور مجھے رخصت دیں۔

یونیورسٹی اورینٹل کالج۔ لاہور
۱۰۔ مئی ۱۹۷۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱

اشک پلکوں پہ مچل جائے تو میں شعر کہوں
یہ بھی ارمان نکل جائے تو میں شعر کہوں

زندگی تجھ سے عبارت ہے مرا حُسنِ نمو
درد کی رات ہی ڈھل جائے تو میں شعر کہوں

آئینہ آئینہ اَے جلوہ گرِ حُسنِ خیال
یہ دلِ شوق سنبھل جائے تو میں شعر کہوں

وہم ہے، خواب ہے، دھوکا ہے نمودِ عالم
سر سے یہ سارا خلل جائے تو میں شعر کہوں

آج پھر شام سے بیکل ہے مرا صبر و قرار
دل سے یہ پھانس نکل جائے تو میں شعر کہوں

دردکا لمحہ کہ تزئینِ شبِ ہجراں ہے
شیشۂ قلب میں ڈھل جائے تو میں شعر کہوں

یہ شبِ غم یہ دھواں دھار فضائے عالم
میرے اطراف سے ٹل جائے تو میں شعر کہوں

آنکھ کی راہ کسی شوخ کا قدِ موزوں
ذہن کے سانچے میں ڈھل جائے تو میں شعر کہوں

اِن ستاروں سے جو روشن سرِ مژگاں ہیں نہاں
دلِ ناداں جو بہل جائے تو میں شعر کہوں

۲

دُنیا مجھے اِک خوابِ پریشاں سا لگے ہے
آئینہ بھی دیکھوں تو وہ حیراں سا لگے ہے

کب بار سہے ہے مری خود دار طبیعت
اُن کی نظرِ لطف بھی احساں سا لگے ہے

ہر پھول کہ تھی جس میں تری یاد کی خوشبو
اب مجھ کو مری طرح پریشاں سا لگے ہے

آئے وہ تصوّر میں تو جل اُٹھی ہیں شمعیں
ہر تارِ رگِ جاں کا غزلخواں سا لگے ہے

محرومیٔ اُلفت سے ہے احساس بھی مجروح
سایہ بھی مرا مجھ سے گریزاں سا لگے ہے

روؤں بھی تو اشکوں میں تری شکل کو دیکھوں
ہر اشک مجھے تیرا شبستاں سا لگے ہے

منظر بھی پسِ چشم ہے گو اُن کی وفا کا
ہر لمحہ مگر ہے کہ گریزاں سا لگے ہے

کس خواب کو پلکوں پہ سجاؤں کہ شبِ غم
یادوں کا ہر اِک لمحہ پَرافشاں سا لگے ہے

آغوش میں شب کی جو نہاں نُور فشاں تھا
وہ چاند بھی اب دیدۂ حیراں سا لگے ہے

۳

جتنا اِنساں عقل کے سانچے میں ڈھلتا جائے ہے
اُتنا ہی انسانیت سے دُور ہوتا جائے ہے

وقت کی محراب پر، حالات کے آئینے میں
زندگی خود عکس سے اپنے ہی شرما جائے ہے

بزم میں پیشِ نظر ہے انقلابِ سوز و ساز
شمع بجھتی جائے ہے پروانہ جلتا جائے ہے

یہ خموشی، یہ اُداسی، یہ سِسکتی خواہشیں
غم کے طوفاں میں دلِ مجبور ڈُوبا جائے ہے

زندگی کی کشمکش سے دل کو فرصت ہی کہاں
یہ بھی کیا کم ہے کہ اپنا وقت گذرا جائے ہے

زندگی کا مسئلہ اور وقت کی اُلجھن نہ پُوچھ
جس قدر سلجھاؤ اُتنا ہی اُلجھتا جائے ہے

دیکھ کر تاراجیٔ گلشن کی سازش اے نہاںؔ
غنچہ کِھلنے بھی نہیں پاتا کہ مُرجھا جائے ہے

۴

کوئی بیگانۂ رسمِ وفا ایسا بھی ہوتا ہے
رہے دل کو نہ دل کا آسرا ایسا بھی ہوتا ہے

حقیقت کچھ نہ تھی اہلِ نظر میں میرے آنسو کی
مگر دامن پہ وہ شعلہ بنا ایسا بھی ہوتا ہے

غمِ دنیا کو جس نقطے پہ فطرت نے کیا یکجا
سمٹ کر وہ مرا دل بن گیا ایسا بھی ہوتا ہے

فسانہ جسم و جاں کا اب نہ چھیڑو یوں ہی رہنے دو
رسا ہوتا ہے حرفِ نارسا ایسا بھی ہوتا ہے

کیا دل میں وفا نے جذبۂ تعمیرِ نو پیدا
اُجڑ کر یہ گلستاں پھر بسا ایسا بھی ہوتا ہے

مری آہوں میں یہ تاثیر بھی دیکھی ہے دُنیا نے
کہ وَا ہوتا ہے خود بابِ دُعا ایسا بھی ہوتا ہے

شبِ ہجراں مژہ پر یہ مرا جلتا ہوا آنسو!
ستاروں کی چمک سے ہے سوا ایسا بھی ہوتا ہے

بھروسہ ایک پَل کا اب کسی سایہ پہ کیا معنی!
کہ ہے انساں بھی انساں سے جدا ایسا بھی ہوتا ہے

مری ٹوٹی ہوئی کشتی کو ساحل سے ہے کیا نسبت
نہ ہو کشتی کا کوئی ناخدا ایسا بھی ہوتا ہے

نہاں تھا جو ترے رنگِ تغافل میں دمِ رخصت
نہاں وہ زیست کا عقدہ کھُلا ایسا بھی ہوتا ہے

۵

اپنی تنہائی کو اس طرح صدا دی ہم نے
آگ تخئیل کی دنیا کو لگا دی ہم نے

عظمتِ نوعِ بشر آج دکھا دی ہم نے
زخم کھایا تو ستمگر کو دُعا دی ہم نے

پھر بھی اُمّید کی شاخوں پہ نہ چٹکا کوئی پھول
گو اِسی آس پہ اِک عُمر بتا دی ہم نے

تم ہی ناواقفِ آدابِ ستم تھے لوگو!
ورنہ افواہوں کو کیا کیا نہ ہوا دی ہم نے

زخمِ مژگاں سے لگا اب تو سُراغِ نغمہ
مشعلِ گُل تو سرِشام بجھا دی ہم نے

زندہ رہنے کا کوئی حوصلہ ہم سے سیکھے
سوزشِ قلبِ تپاں اور بڑھا دی ہم نے

پوچھتے کیا ہو ذرا دیکھو نہاںؔ کی جانب
دولتِ قلب و نظر تھی سو لٹا دی ہم نے

۶

حوصلے کتنے اسیرِ غمِ دُنیا نہ ہوئے
پھر بھی ہم زخمِ تبسم کا تماشا نہ ہوئے

یاد آتے ہی چلے جاتے ہیں خوابوں کی طرح
ہائے وہ لوگ جو تعبیرِ تمنا نہ ہوئے

خواہشیں اُبھریں تو مرجھا گیا اپنا ہی وجود
ہم کسی چشمِ تماشا میں تماشا نہ ہوئے

مجھ کو تصویر بنا ڈالا اَنا نے میری
لب کہ خاموش رہے، راز کہ افشا نہ ہوئے

جب بھی تنہائی نے آئینہ دکھایا ہے کبھی
یاد آئے ہیں کئی نام کہ افسانہ ہوئے

اِک نہ اِک انجمنِ درد سجالی دل نے
ہم تری یاد میں پل بھر کو بھی تنہا نہ ہوئے

بُجھ گئے وقت کے ہاتھوں پہ چراغوں کی طرح
ظلمتوں کے ہمیں احسان گوارا نہ ہوئے

وہ کہ لمحوں کی طرح بھول گئے اپنا چلن
ہم کہ سورج کی طرح وعدۂ فردا نہ ہوئے

آئینہ دیکھا تو دل سے یہ صدا آئی نہاں
عمر بھر ساتھ رہے پھر بھی شناسا نہ ہوئے

۷

نام بھی تو نے لیا تھا کبھی گھر جانے کا
شبِ غم آج ارادہ ہے کدھر جانے کا

نذرِ طوفاں جو ہوا وہ سرِ ساحل پہنچا
عشق میں کام نہیں پار اُتر جانے کا

ہائے کس نے مرے جینے کی دُعا مانگی تھی
حشر تک بھی نہیں اَب اُس کا اثر جانے کا

راہ خود رہرو ہستی کو لئے پھرتی ہے
تاب چلنے کی نہ موقع ہے ٹھہر جانے کا

اس جنوں زار میں بکھری ہوئی ہستی کے لئے
موت ہے نام سمٹنے کا سنور جانے کا

پاؤں میں ڈال دے زنجیرِ محبت بڑھ کر
نام بھی لیں جو وہ اسے دیدۂ تر جانے کا

میرے آئینۂ افکار میں چمکے وہ نہاں
اُن کو ارمان جو تھا اور نکھر جانے کا

۸

وابستگانِ شوق و طلب جاگتے رہو
آنکھوں میں لے کے خوابِ طرب جاگتے رہو

پلکوں پہ رکھ کے چاند ستاروں کی مشعلیں
تم بھی مثالِ دیدۂ شب جاگتے رہو

مل جائے گی وہ جنتِ ایّامِ گم شدہ
آوارگانِ کوئے طلب جاگتے رہو

کِھلتی ہے زندگی کے تبسّم کی چاندنی
اے ہمدمانِ شامِ طرب جاگتے رہو

شاید کسی کی آگ سے آنسو ٹپک پڑے
ہاتھوں میں لے کے نام و نسب جاگتے رہو

آنکھوں میں گُھل گئے ہیں حسیں موسموں کے رنگ
مینا بدست، نغمہ بلب جاگتے رہو

قدموں کی چاپ دل کے قریب آ گئی نہاںؔ
کتنا تھا انتظار بس اب جاگتے رہو

⑨

حقیقتیں تھیں جو کل، آج ہیں وہ افسانے
بدلتے جاتے ہیں فکر و نظر کے پیمانے

یہ کس کے نقشِ کفِ پا ہیں کون گذرا ہے
بہار جس کے سُناتی پھری ہے افسانے

وہ ایک لہر تھی آئی بھی اور چلی بھی گئی
نہ اب وہ رات نہ وہ شمع ہے نہ پروانے

ہر ایک زندۂ جاوید ہو نہیں سکتا
جنوں میں خاک اُڑاتے ہیں کتنے دیوانے

جنوں میں پھر بھی اک اندازِ بے نیازی ہے
خرد یہ کس لئے ریجھے ہوئے ہیں فرزانے

سفینہ وقت کا ساحل پہ لوٹ آتا ہے
ترے خیال میں کیا بات ہے خدا جانے

نہاں نہ ہو سکی منزل مری نظر سے نہاں
ہزار پیچ دیئے راہ و رسمِ دُنیا نے

۱۰

غمِ دوراں ہے جھکائے ہوئے سر میرے بعد
رنگ لایا یہ وفاؤں کا اثر میرے بعد

دیکھیں اب آپ کی محفل کو ملے یا نہ ملے
مجھ سا بیتابِ نظر، شعلہ بہ سر میرے بعد

نہ ہوا کی کوئی آہٹ نہ قدم کی کوئی چاپ
کتنی سُونی ہے تری راہ گذر میرے بعد

میرے ہی خون سے گلزار میں تھا رنگِ نمو
ہاتھ ملتا رہا ایک ایک شجر میرے بعد

مجھ کو رونا ہے تمہاری ہی سیہ بختی کا
تم کہاں جاؤ گے اے دیدۂ تر میرے بعد

تکتی رہیو چمنِ حسن میں بیٹھی نرگس
شاید آجائے کوئی اہلِ نظر میرے بعد

غم کا ہر ناز اُٹھا کر بھی رہے خندہ بہ لب
دل یہ کس کا ہے یہ کس کا ہے جگر میرے بعد

میں بجھانے کو ہوں تیار چراغِ ہستی
اس توقّع پہ کہ آئے گی سحر میرے بعد

ہائے وہ وقت کہ جب شہر خرابی میں کبھی
لوگ پوچھیں گے نہاںؔ میری خبر میرے بعد

۱۱

سلام کرنے بہاروں کی دلکشی آئی
ورق ورق پہ گُلِ تر کے تازگی آئی

جتن زمانے نے کیا کیا نہیں کیے ہوں گے
نہ آنی تھی نہ ہمیں خوئے بندگی آئی

نفَس نفَس پہ ہے پہرہ یہاں خموشی کا
یہ کس مقام پہ تو شامِ نغمگی آئی

فروغِ فصلِ بہاراں جچا نہ نظروں میں
مرے غموں پہ کچھ اس طرح دلکشی آئی

نگاہ پھیرنے والے سے اب یہ کون کہے
کہ میرے کام نہ خود میری بندگی آئی

اُداس گھر کے اندھیروں کو ضَوفشاں کرنے
بدن چُرائے ہُوئے دن کی روشنی آئی

گئے دنوں کا جو اک خواب بن گئے تھے نہاں
سُراغ لے کے کہاں سے یہ بندگی آئی

۱۲

سب کچھ ہو محو پر ترا نقشا نہ بھول جائے
دل کو سکوں ملے تو تڑپنا نہ بھول جائے

کیا درمیانِ خالق و مخلوق فرق ہے
اتنی تو آگہی ہو کہ بندا نہ بھول جائے

وہ عشق کیا کہ جس میں رہے فکرِ ماسوا
وہ کیا جنوں ہے جس میں کہ دُنیا نہ بھول جائے

اَے خضرِ راہِ عشق ذرا ہوشیار رَہ
دل اس ہجومِ شوق میں رستا نہ بھول جائے

اِنسانیت کی قدریں کہ ہیں حاصلِ حیات
یہ خوف ہے اُنھیں بھی زمانا نہ بھول جائے

ہر آرزوئے زیست فراموش ہو چکی
اَب ضبطِ غم کسی کی تمنّا نہ بھول جائے

ساحل کی عمر بھر کی رفاقت کو خوف ہے
موجوں کی جلترنگ میں دریا نہ بھول جائے

وہ آبشارِ غم مری آنکھوں سے ہے رواں
ڈرتی ہوں آئینہ مرا چہرا نہ بھول جائے

وہ عشق کیا جو چشمِ تماشا ہی تک رہے
وہ جذب کیا جو اُن کا سراپا نہ بھول جائے

راتوں کی تیرگی سے نہیں واسطہ مجھے
یہ دن کی دھوپ بھی مرا سایا نہ بھول جائے

ہر چند چور چور ہے غم سے تری حیات
دل میں نہاں طلب ہو تو کیا کیا نہ بھول جائے

۱۳

وہ ہمیں دل سے بھلایا کیے، اکثر کیا کیا
ہم اُنھیں آتے رہے یاد برابر کیا کیا

زندگی خاک تھی اِک خاک کے پُتلے کی طرح
اِمتحاں لیتا رہا چرخِ ستمگر کیا کیا

چار دن چین سے ہم رہ نہ سکے دُنیا میں
پھر بھی ہنستے رہے اَے دہرِ فسوں گر کیا کیا

مر کے بھی دیکھیں گے واں ہوتا ہے کیونکر جینا
زندگی یاں تو ترا رونا ہے گھر گھر کیا کیا

ہم ہیں جس حال میں رہنے دے ہمیں اَے تدبیر
ہم ہیں دیکھے ہوئے تقدیر کے تیور کیا کیا

کیا نئی بات قیامت میں الٰہی ہوگی
ہم نے دُنیا میں بھی تو دیکھے ہیں محشر کیا کیا

تادمِ صبحِ نہاں سر پہ مرے ٹوٹے ہیں
زندگی کی شبِ تاریک میں اختر کیا کیا

۱۴

کشتی کو ربط کچھ بھی نہیں ناخدا کے ساتھ
ساحل سے دُور دُور ہے موجِ بلا کے ساتھ

یہ کون کھینچتا ہے مرا دامنِ خیال
کس کی صدا یہ آتی ہے دل کی صدا کے ساتھ

پھیلے ہوئے ہیں ہجر میں تا دُور سلسلے
اَبرِ رواں کے ساتھ مچلتی ہوا کے ساتھ

وہ میرے ساتھ ساتھ بھی ہیں دُور دُور بھی
چلتا ہو جس طرح کوئی دامن بچا کے ساتھ

یہ حادثوں کی زَد پہ اُمیدوں کے قافلے
یہ زندگی کی آنکھ مچولی قضا کے ساتھ

تاریکیٔ خیال میں رقصاں ہے ایک یاد
جس طرح چاند کھیل رہا ہو گھٹا کے ساتھ

اب دل کو کیا کہیں یہ مقدر کی بات ہے
لائے تھے ہم یہ روگ ازل سے لگا کے ساتھ

وہ پاس تھے تو کون سا لمحہ سکوں کا تھا
اُٹھے بھی وہ تو ایک قیامت اُٹھا کے ساتھ

دل پاک ہو تو کوئی بھی مشکل نہیں نہاں
آساں ہر ایک راہ ہے اس رہنما کے ساتھ

۱۵

درِ دل کون کھٹکھٹاتا ہے — کون خلوت کدہ میں آتا ہے
کون ہے جو مرے خیالوں میں — یاد بن کر سمائے جاتا ہے
طائرِ روح یادِ گلشن میں — سر پٹکتا ہے پھڑپھڑاتا ہے
رحم کر رحم اے تصوّرِ دوست — اس قدر بھی کوئی ستاتا ہے
دل کی دھڑکن پہ ہے گماں ہر دم — جیسے کوئی مجھے بُلاتا ہے
جب اُمیدیں تمام ہوتی ہیں — تب کہیں جا کے صبر آتا ہے

کِس لئے اے نہاں مہِ کامل
ایک بیکس کا مُنہ چِڑاتا ہے

۱۶

سب کچھ کھو کر سب کچھ پانا — چاہت کا دستور پُرانا
اپنے کیے پر کیا پچھتانا — ٹھوکر میں تھا ورنہ زمانا
دھیان میں رہنا یاد میں آنا — دیکھو مجھ سے دُور نہ جانا
ہائے محبت کا وہ زمانا — خواب ہو جیسے جیسے فسانا
چھیڑ دیا یادوں نے ترانا — گونج اُٹھا دل کا ویرانا
دل کو مچلنے کی عادت ہے — تم ہی ذرا اس کو سمجھانا
پلک پلک سے توڑ کے تارے — ہر شب ہم کو ہار بنانا
ڈوب چلے آکاش پہ تارے — باقی ہے غم کا افسانا

عشقِ نہاںؔ مُنہ بند کلی ہے
مہکا ہوا ہے پھر بھی زمانا

۱۷

حدِّ برداشت سے جب دردِ فزوں ہوتا ہے
آس بندھتی ہے کہ اب دل کو سکوں ہوتا ہے

نہ ہی وہ آتے ہیں یارب نہ قضا آتی ہے
نہ تو یوں ہوتا ہے اے وائے نہ یوں ہوتا ہے

چھوڑ دیں چھوڑ دیں تنہا مرے غمخوار مجھے
اُن کی باتوں سے فزوں میرا جنوں ہوتا ہے

ضبط سے آتشِ غم اور بھڑک اُٹھتی ہے
دردِ دل اور تسلّی سے فزوں ہوتا ہے

عالمِ یاس میں ماضی کا سُنہرا سپنا
جیسے اعجاز کوئی جیسے فسوں ہوتا ہے

وقت ہر غم کا مداوا ہے مگر رہ رہ کر
دل میں اک درد جو اُٹھتا ہے یہ کیوں ہوتا ہے

جس طرح برقِ بلا ابر کے پردے میں نہاں
اک قیامت مرا خاموش جنوں ہوتا ہے

(۱۸)

دل کے جو راز تھے دل ہی میں دبائے میں نے
اور تو اور ہیں خود سے بھی چھپائے میں نے

دلِ تسکین طلب تیرے سکوں کی خاطر
ناز کیا کیا نہ زمانے کے اُٹھائے میں نے

کیا حسیں خواب تھے جو دل نے دکھائے مجھ کو
کیا حسیں خواب تھے جو دل کو دکھائے میں نے

دلِ محروم کی قسمت میں نہ تھا لطفِ بہار
آرزوؤں کے بہت باغ دکھائے میں نے

زیست کا بار بھی کچھ کم تو نہ تھا عشق کے غم
جانے کیوں مول لئے بیٹھے بٹھائے میں نے

اب عداوت کا گلہ ہے نہ محبت کی اُمید
یعنی سب دیکھ لئے اپنے پرائے میں نے

شعرِ تر بن گئے آنسو تھے جو آنکھوں میں نہاں
کتنے تابندہ گہر آج لُٹائے میں نے

۱۹

اب نہ وہ دل ہے نہ وہ جوشِ تمنا باقی
ہاں مگر ذہن میں اک نقش ہے دُھندلا باقی

کونسا رنج ہے اب کونسی ایذا باقی
دیکھئے اور مقدر میں ہے کیا کیا باقی

تیرا اعجاز ہی اب تو ہے مسیحا باقی
ورنہ بیمارِ محبت میں ہے اب کیا باقی

کشتیٔ عمر کو ساحل پہ پہنچنے کے لئے
ہے تو اِک سیلِ بلا کا ہے سہارا باقی

یُوں تو اک شمع سرِ رہ گذرِ بادہوں میں
مجھ سے طوفانِ حوادث کا تماشا باقی

شمع کی ضَو نہ وہ پروانۂ بیتاب کا رقص
رہ گیا حسن و محبت کا فسانا باقی

اے نہاؔں مٹ گئے جو حق و صداقت کے لئے
صفحۂ دہر پہ ہے نام اُن ہی کا باقی

(۲۰)

اِس طرح شامِ عید ہوا جلوہ بار چاند
جیسے غمِ فراق کو لگ جائیں چار چاند

اَے چشمِ اشک بار ترا معجزہ ہے یہ
ڈوبا جو ایک چاند تو اُبھرے ہزار چاند

اب شامِ غم اسی سے کہوں اپنا ماجرا
شاید اُنھیں سُنائے مرا حالِ زار چاند

یہ کہکشاں ہے اُن کے نگر کی گلی نہیں
اس رہ گذر پہ کس کا کرے انتظار چاند

کس رشکِ آفتاب کی ہے جستجو نہاں
میری طرح جو پھرتا ہے دیوانہ وار چاند

۲۱

آئے دن بہاراں کے نکہتوں کے طوفاں کے
زخم پھر مہک اُٹھے سینۂ گلستاں کے

غرقِ موجِ شبنم ہیں لالہ و گل و نسریں
یہ بھی نام ہیں میری چشمِ اشک افشاں کے

برق کی چمک پیہم، درد کی کسک ہر دم
اشک و آہ کا موسم دن ہیں باد و باراں کے

روح پر خزاں طاری اور بہار نظروں میں
ہم بھی ہو گئے قائل انقلابِ دوراں کے

شانۂ تدبّر سے، ناخنِ تفکّر سے
کاش بل نکل سکتے کاکلِ پریشاں کے

ابرِ تر کے نغمے ہیں، رنگ و بو کے پردے ہیں
گیت ہیں بہاراں کے خواب ہیں غزلخواں کے

اے نہاں زمانے میں وہ بہار بھی آئے
جس میں زخم بھر جائیں روح و قلبِ انساں کے

(۲۲)

ارمان سارے خاک میں ہم نے ملا دیئے
لیکن اُنھیں جفا کے سلیقے سکھا دیئے

اللہ رے چشمِ تر کی بہار آفرینیاں
دامان و آستیں پہ شگوفے کھلا دیئے

تھی جن سے روشنی مری شبہائے تار میں
یادوں کے وہ چراغ بھی غم نے بجھا دیئے

بربادیٔ حیات کے قربان جایئے
دونوں جہاں نگاہ سے جس نے گرا دیئے

اے دردِ جاں نوازِ محبّت ترے لئے
ہم نے مسرّتوں کے خزانے لٹا دیئے

وقت و مکاں کی قید من و تو کے تفرقے
سارے تعیّنات جنوں نے مٹا دیئے

جب حد سے بڑھ گئی تپشِ دل شبِ فراق
نورِ سحر کے روپ میں وہ مسکرا دیئے

دل نے جنہیں زبان تک آنے نہیں دیا
اشکوں نے اے نہاںؔ وہ فسانے سُنا دیئے

۲۳

دل وہی دل کی آرزو ہے وہی
میری دیوانگی کی خو ہے وہی

زخمِ جاں بے نیازِ درماں ہے
دامنِ زیست بے رفو ہے وہی

فاصلے کم ذرا نہیں ہوتے
گردشِ چرخ فتنہ جُو ہے وہی

خون دل میں، نہ اشک آنکھوں میں
اُن کے دامن کی جستجو ہے وہی

سج گئی ہے کبھی جو بزمِ خیال
مجھ میں اور ان میں گفتگو ہے وہی

اب بھی میخانۂ تصور میں
دَورِ صہبائے مشکبو ہے وہی

اے مہاںؔ دور ہے جو آنکھوں سے
مثلِ آئینہ رُوبرُو ہے وہی

۲۴

مجھ میں بھی تو اِک ضد ہے اُٹھے تو ہو محفل سے
اُس وقت میں جانوں گی جب جاؤ گے تم دل سے

یادوں کے کھلونوں سے بہلا ہے نہ بہلے گا
اب تم اسے بہلاؤ میں ہار گئی دل سے

دل میں نے لگایا کیوں، غم میں نے اُٹھایا کیوں
یہ مجھ سے نہ تم پوچھو، پوچھو یہ مرے دل سے

سب میرا تصوّر ہے، سب خواب کی باتیں ہیں
کیا تم سے کہا دل نے، کیا تم نے کہا دل سے

جس وقت مچلتا ہے ہاتھوں ہے نہ باتوں ہے
سمجھاؤں اسے کیونکر جیتے کوئی کیا دل سے

فریاد نہیں کرتی انجام سے واقف ہوں
گُل چاک گریباں ہیں فریادِ صبا دل سے

آنکھوں سے نہاں میری دو اشک بھی کیوں ٹپکیں
اک آہ بھی کیوں نکلے اس ٹوٹے ہوئے دل سے

۲۵

اُن کے بیمار کے حق میں ہے شفا ہو جانا
چارہ سازوں کا بہ مصروفِ دُعا ہو جانا

ساری دُنیا کو خفا کر کے تمہیں پایا ہے
تم نہ دُنیا کی طرح مجھ سے خفا ہو جانا

دل کو سمجھاؤں تو کیونکر کہ ترا عزمِ سفر
رُوح کا ہے تنِ بسمل سے جُدا ہو جانا

دل کے زخموں کے دہک اُٹھنے کا ہے نام بہار
عید ہے روح میں اک حشر بپا ہو جانا

لَٹ جو اُلجھی تو کسی طور سُلجھتی ہی نہیں
عقدۂ زیست کو آتا نہیں وا ہو جانا

دُور گرداب فنا اور شکستہ کشتی!
تو ہی اے موجِ بلا راہ نُما ہو جانا

دامِ افکار سے چھٹنا ہے نہاں نا ممکن
قیدِ ہستی سے تو ممکن ہے رہا ہو جانا

۲۶

خامشی زباں اپنی ضبط ترجماں اپنا
رازِ دل نہاں پھر بھی رازداں جہاں اپنا

دلنشیں ہوا جب سے وہ عدوئے جاں اپنا
جان بھی ہے کب اپنی دل بھی ہے کہاں اپنا

کس کو حالِ دل لکھئے، کس سے حالِ دل کہئے
کون ہم قلم اپنا کون ہم زباں اپنا

آندھیاں مخالف ہیں برق ہم سے جلتی ہے
شاخِ گل پہ کیوں باندھا ہم نے آشیاں اپنا

خامشی کے پردے میں زخم ہی مہک اُٹھے
حال کچھ تو کہہ سکتا کوئی بے زباں اپنا

بے وفا تو کیا کہئے آپ یوں ہمارے ہیں
جیسے بخت اپنا ہے جیسے آسماں اپنا

زیست کا بھرم کھویا اے نہاںؔ محبت نے
اب نہ یہ جہاں اپنا اور نہ وہ جہاں اپنا

۲۷

شکایت ہے یہ مجھ کو آسماں سے — کہ باز آیا ستمگر امتحاں سے
نہ ٹوٹی ہے نہ یاں ٹوٹے گی بجلی — اسے بھی کد ہے میرے آشیاں سے
میں دل کی حسرتوں کو دل میں رکھوں — کہ نسبت ہے انہیں اِک جانِ جاں سے
ذرا اپنی طرف بھی دیکھ لینا — ملے فرصت جو تسخیرِ جہاں سے
برنگِ گُل ڈھلک پڑتے ہیں آنسو — سحر کے وقت چشمِ کہکشاں سے
نہ پہنچا پھر غبارِ کارواں تک — بچھڑ کر رہ گیا جو کارواں سے

نہاںؔ ان رہرووں سے کوئی پوچھے
کہاں جانا ہے آئے ہو کہاں سے

۲۸

یُوں نہ ہو بے چراغ گھر کوئی — صحن جس طرح بے شجر کوئی
درِ اُمّید نیم باز رکھوں — آہی نکلا جو بھول کر کوئی
لاکھ ارزاں سہی مرے آنسو — پھُول کوئی بنا گُہر کوئی
اِک حسیں یاد جاگ اُٹھی دل میں — جیسے اِلقا ہو شعرِ تر کوئی
حکم ہے آنسوؤں سے دھو ڈالے — خونِ دل سے لکھے اگر کوئی
کچھ نہ اپنا سُراغ ہی پایا — اور نہ اُن کی ملی خبر کوئی

موت سے تو مفر نہیں لیکن
عشق سے ہے نہاں مفر کوئی؟

۲۹

صورتِ برق جب ہوئے درد سے بیقرار ہم
اَبرِ بہار کی طرح ہو گئے اشکبار ہم

لہر جو دل میں آ گئی تازہ یہ گل کھلا گئی
اُن کی طرف رواں ہوئے صورتِ جوئبار ہم

طرزِ جفا کچھ اور ہے، رنگِ وفا کچھ اور ہے
توڑیئے پھول پھول آپ لیتے ہیں خار خار ہم

رنجِ فنا نہیں ہمیں، شوقِ بقا نہیں ہمیں
برگ ہیں اے بہار ہم، نقش ہیں اے نگار ہم

اور تو خاک ہے یہاں یاد ہی دل میں ہے نہاں
یاد بھی گر چلی گئی کس کو کریں گے پیار ہم

۳۰

اُلجھی لٹ سلجھانا مشکل، اُلجھی لٹ سُلجھائے کون
منزلِ جاناں دُور نہیں ہے پھر بھی وہاں تک جائے کون

دل جتنا آباد ہوا، کچھ اور سکوں برباد ہوا
خون جگر کا دے دے کر ویرانے میں پھول کھلائے کون

ہنستے رنگ برستی خوشبو، لاکھ جگاتے ہیں جادُو
گُل کی طلب میں دل کا دامن کانٹوں میں اُلجھائے کون

حُسن کی دولت عام ہو پھر بھی دید کی فرصت عام نہیں
دُنیا بھر سے پھیر کے نظریں اُن سے آنکھ ملائے کون

ظرفِ محبت کیوں رسوا ہو، رازِ نہاں کیوں افشا ہو
شکوے سے خاموشی بہتر ناحق بات بڑھائے کون

(۲۱)

جب تک تمہارے درد سے بیگانگی رہی
زندہ تھے زندگی میں مگر اِک کمی رہی

گُم ہو کے رہ گئے ہیں کسی کے خیال میں
موجِ بلائے دہر مجھے ڈھونڈتی رہی

آسودگی کی دُھن میں عجب اضطراب تھا
مایُوس ہو کے پھر بھی اِک آسودگی رہی

وہ کاکُلِ حیات سنوارے چلے گئے
پھر بھی مزاجِ دہر میں اِک ابتری رہی

انسانیت کے غم کا مداوا نہ ہو سکا
پرواز اپنی تا بہ مہ مُشتری رہی

گردش بھی ہے تو گردشِ پرکار کی طرح
کیا لُطفِ زندگی جو یہی زندگی رہی

وہ روز و شب رہے نہ وہ دل ہی رہا مگر
بزمِ خیالِ دوست سجی کی سجی رہی

وہ دُور تھے تو پھر بھی مجھے اپنا ہوش تھا
وہ سامنے رہے تو عجب بے کلی رہی

چھینٹا پڑا تو اور بھی شعلہ بھڑک اٹھا
آنسو رُکے تو آتشِ دل پھر رُکی رہی

دل کی خوشی کے واسطے کتنے جتن کیے
اِس خانماں خراب کی حالت وہی رہی

آلامِ روزگار کے پردے میں اے نہاں
اپنے ہی درد سے مجھے وابستگی رہی

۳۲

رُخ پہ شفق پلکوں پہ ستارے
دونوں وقت ملے وہ سدھارے

غم کچھ دل سے الگ تو نہیں ہیں
دل بھی تمہارا غم بھی تمہارے

بیچ بھنور میں امن ہے کتنا
چھوڑ کے سب طوفان کنارے

کوئی تو شب کو راہ دکھائے
بجلی چمکے ٹوٹیں تارے

خشک ہوئے آنکھوں میں آنسو
کب تک بہتے یہ انگارے

وقت کی گردش ناپی ہیں نے
اپنے دھڑکتے دل کے سہارے

پھول سے دن مہتابی راتیں
سب ہیں فسانے خواب ہیں سارے

مست گھٹائیں، نرم ہوائیں
کتنی یادیں کتنے اشارے

وقت سے کچھ بھی نہ مانگا ہم نے
وقت پہ ہیں احسان ہمارے

آہیں میری شکر و نغمہ
آنسو میرے پھول ستارے

ہے یہ نہاں تحریر کسی کی
بکھرے پڑے ہیں جتنے نظارے

(۲۳)

بے چینیوں کا دل سے اشارہ کچھ اور ہے
اور مقصدِ حیات ہمارا کچھ اور ہے

دامن چھڑا کے یاد تمہاری کدھر چلی
میں اور ہوں کہ شوق تمہارا کچھ اور ہے

اب دھڑکنوں کے گیت ہیں اور سازِ زندگی
اب عہدِ گُل کا دل سے اشارا کچھ اور ہے

رنگینیوں میں کھو کے نہیں رہ گئی ہوں میں
دل کو لبھائے جو وہ نظارا کچھ اور ہے

مانا کہ وہ حسیں ہیں مگر اُن کے حسن کو
میری نگاہ نے بھی سنوارا کچھ اور ہے

کہتا ہے میرا ذوقِ وفا مجھ سے اور کچھ
گو نقطۂ نگاہ تمہارا کچھ اور ہے

میں دردِ روزگار کے قربان اے نہاںؔ
عزمِ حیات اس نے اُبھارا کچھ اور ہے

۳۴

شفق کی آگ میں جلنے لگی جب شامِ تنہائی
ترے ملنے کی حسرت دھڑکنوں کے ساز لے آئی
زمیں پر اِک کرن پھوٹی شگفتِ لالہ و گُل سے
فلک پر اوڑھنی اوڑھے ستاروں کی گھٹا چھائی
چمن میں پھول کِھلتے ہیں، جگر پر تیر لگتے ہیں
یہ دُوری اور یہ دیوانہ گر موسم کی انگڑائی
تری یادوں کی پرچھائیں گلے ملتی ہے یُوں دل سے
نہ فرقت ہے، نہ قربت ہے، نہ محفل ہے، نہ تنہائی
بچھا جاتا ہے سبزہ آج کس کی آمد آمد ہے
یہ کس کی دید کی خاطر ہیں گل چشم تماشائی
پرِ پروانہ میں اور شمع کی لَو میں خدا جانے
یہ کب کا ربطِ باہم ہے کہاں کی ہے شناسائی
منہاںؔ میرا ہی عالم ہے ہواؤں کی پریشانی
بہاروں کی گُل افشانی، جنوں کی نغمہ پیرائی

۳۵

ہستی کے علائق بھی زمانے کے ستم بھی
حسرت ہی رہی جی میں کہ جیتے کبھی ہم بھی

کچھ بارِ غمِ زیست اُٹھا بھی نہیں مجھ سے
کچھ گردشِ تقدیر کا تھا مجھ پہ کرم بھی

سلجھے گا کبھی عقدۂ تقدیر بھی دیکھیں
نکلیں گے کبھی کاکلِ حالات کے خم بھی

رہ جائے کمی کوئی نہ اے چرخِ ستمگر
ہم تیری شکایت کریں ایسے نہیں ہم بھی

ہستی تو فقط کھیل ہے ہستی کی طرح سے
کھُل جائے نہ اے موت کہیں تیرا بھرم بھی

دُنیائے محبّت کی دورنگی بھی عجب ہے
غم میں بھی خوشی ہوتی ہے خوشیوں میں ہیں غم بھی

روشن ہے نہاںؔ سوزِ جگر سے مہِ کامل
کھِلنے کو کھِلا پھُول مگر آنکھ ہے نم بھی

(۳۶)

آتی ہے ہوا کوچہ قاتل کی طرف سے
زنہار نہ غافل ہو کوئی دل کی طرف سے

انگڑائیاں لیتے ہوئے آئے مرے دل میں
گذرے ہوئے لمحے تری محفل کی طرف سے

ہر سانس ہے اے عزم وفا مرحلۂ نو
آسودہ نہ ہو عشق میں حاصل کی طرف سے

ہم آبلہ پاؤں کو جو منزل نظر آئی
پھر چل دیئے مُنہ پھیر کے منزل کی طرف سے

گرداب میں گِھر کر نکل آنا ہے پھر آساں
پلٹا بھی ہے جا کر کوئی ساحل کی طرف سے

اب کس کو ہے معلوم کہ اشعار ہیں میرے
پیغام ترے دل کو مرے دل کی طرف سے

طوفان کی زد میں ہو نہاں تیرا سفینہ
آیا ہے سندیسہ مہِ کامل کی طرف سے

۳۷

غمِ دل تو ہی ذرا سلسلہ جُنباں ہونا
مجھ کو افسانۂ ہستی کا ہے عنواں ہونا

اپنی حالت نہ بدلنے پہ مجھے رہ رہ کر
کبھی گریاں، کبھی نالاں، کبھی خنداں ہونا

عقدۂ کارِ ہستی نہ کھُلا ہے نہ کھُلے
میری مشکل کو گوارا انہیں آساں ہونا

وہی جذبہ ہے جو سمٹے تو غمِ دل کہلائے
پھیل جائے تو اسی کو غمِ دوراں ہونا

میرے ہی شوق کا عالم ہے یہ بزمِ ہستی
مجھ سے سیکھا ہے بہاروں نے غزلخواں ہونا

چلتے پھرتے ہوئے سائے تو بہت ہیں لیکن
اور ہی کچھ ہے جسے کہتے ہیں انساں ہونا

پردے پردے میں نہاں بات بیاں ہو دل کی
غمِ دوراں کو ہے لازم غمِ جاناں ہونا

(۳۸)

اب آئے ہیں تو کچھ اتنے قریب آئے ہیں
کہ یاد بن کے مرے دل میں وہ سمائے ہیں

شفق کے رنگ میں پھولوں کے روپ میں جیسے
مجھے وہ دیکھ کے چپکے سے مسکرائے ہیں

وہ مل بھی جائیں تو اب اعتبار مشکل ہے
کہ دل نے ہجر کے صدمے بہت اُٹھائے ہیں

ہزار طرح کی مجبوریاں ہیں دُنیا میں
مگر وہ مجھ کو بہر طور یاد آئے ہیں

فراق میں بھی سجی ہے کبھی جو بزمِ خیال
کھلے ہیں پھول ستاروں نے گیت گائے ہیں

فضا گھٹن سے تھی بوجھل پریدہ رنگ تھے گُل
ہوا چلی ہے تو غنچے بھی مُسکرائے ہیں

یہ میرا دل ہے کہ اپنا لئے ہیں سب میں نے
نہاں وہ غم بھی جو میرے نہیں پرائے ہیں

(۳۹)

سنبھلے گا دردِ ہجر کا مارا ہوا تو کیا
یہ زہر بھی جو دل کو گوارا ہوا تو کیا

گرداب سے نکل نہ سکی کشتیٔ مراد
دو چار ہاتھ دُور کنارا ہوا تو کیا

اس زندگی میں کوئی تو درد آشنا ملے
اِک موت کا جو ہم کو سہارا ہوا تو کیا

تم دل کے آنے جانے سے کچھ بدگماں سے ہو
میرا ہوا تو کیا یہ تمہارا ہوا تو کیا

خود اپنی جان ہی ہمیں کتنی عزیز ہے
پھر کوئی ہم کو جان سے پیارا ہوا تو کیا

مرنے کی آرزو ہے نہ جینے کا شوق ہے
اَب آپ کو خیال ہمارا ہوا تو کیا

دل درد تو نہیں جسے اپنا کہیں نہاںؔ
کہنے کے واسطے یہ ہمارا ہوا تو کیا

(۴۰)

سرمستِ تصوّر کو نہ بندے نہ خدا یاد
کچھ بھی نہیں اک بھولنے والے کے سوا یاد

شاید کہ مرے خواب کی تعبیر یہی تھی
دیکھا تھا کوئی خواب کہ مجھ کو نہ رہا یاد

فرصت ہی کہاں سیرِ گل و لالہ سے تم کو
آئے بھی تو کیوں خونِ شہیدانِ وفا یاد

ڈر ہے کہیں پھر آتشِ دل تیز نہ ہو جائے
پھر آنے لگی ہے ترے دامن کی ہوا یاد

یہ بھی ترا احساں ہے کہ اے ذوقِ اسیری
آئی نہ قفس میں ہمیں گلشن کی فضا یاد

اندازِ تغافل میں بھی اِک حُسنِ توجہ
اب تک ہے مجھے وہ کرمِ جور نما یاد

اللہ رے منہاؔں بے حسیٔ اہلِ زمانہ
جینے کا سلیقہ ہے نہ مرنے کی ادا یاد

۴۱

دل تھام کے ہم رہ جاتے ہیں جب یاد تمہاری آتی ہے
نظروں میں شگوفے کھِلتے ہیں آنکھوں سے جھڑی لگ جاتی ہے

یہ ظالم دل جو بہلتا ہے تو آہوں ہی سے بہلتا ہے
بے درد طبیعت ہے کتنی رونے ہی سے تسکیں پاتی ہے

کیا آنکھ مچولی ہے ہر دم مری آرزوؤں کی دُنیا میں
ایک اور دیا بجھ جاتا ہے، ایک اور کلی کھِل جاتی ہے

چنچل ہے ہوا مستانہ گھٹا، آنچل ہے گلابی موسم کا
اِک یاد کا ساغر پی کے فضا کیا رنگیں پھول کھلاتی ہے

میں اپنے حال میں یُوں گُم ہوں جس طرح سے عکس آئینے میں
مجھ کو تو خبر بھی اس کی نہیں یہ دُنیا کس کو ستاتی ہے

اے دَرد کی منزل کے راہی طوفانِ حوادث لاکھ سہی
ایک ایسی ہوا بھی چلتی ہے جو کشتی پار لگاتی ہے

خاموشِ نہاں یہ رازِ وفا اربابِ زمانہ کیا جانیں
پروانہ کہ شعلے کا دشمن اور شمع کہ جی کو جلاتی ہے

(۴۲)

مجھے کام کیا خوشی سے مجھے درد ہی بہت ہے
غمِ زندگی سلامت غمِ زندگی بہت ہے

تو ملے تو روح پُر غم کہ خوشی ہے شوق سے کم
نہ ملے تو میرے دل کو تری یاد بھی بہت ہے

یہ حیات و موت کیا ہیں ؟ یہ نشاط یہ اَلم کیا؟
مجھے آگہی سے بڑھ کر غمِ آگہی بہت ہے

مجھے طعن دے نہ دُنیا کہ جہاں سے بے خبر ہوں
مجھے کچھ خبر نہیں ہے یہ خود آگہی بہت ہے

کوئی اُن کی بات ہمدم ! کہ ہے جی بہت پریشاں
کسی کل سکوں نہیں ہے مجھے بیکلی بہت ہے

کوئی اُس کے دل سے پوچھے جسے غم کی معرفت ہو
وہ جہاں تو خیر ہوگا یہی زندگی بہت ہے

یہ ہے اپنی اپنی فطرت نہیں اے نہاںؔ شکایت
اُنھیں نازِ جورِ بیجا ، مجھے خامشی بہت ہے

(۴۳)

وہ تو کیوں آنے لگے دیکھنے صورت میری
موت ہی آئے تو یکسُو ہو طبیعت میری

کوئی عالم ہو، وہی ایک ہے عالم اپنا
دن بدلتے ہیں، بدلتی نہیں قسمت میری

سب کے دُکھ درد ہوں جیسے مرے اپنے دکھ درد
ساری دُنیا سے نرالی ہے طبیعت میری

اک نہ اک شغل میں یہ کہہ کے لگا یا دل کو
کہ اسی طرح بہل جائے طبیعت میری

دل وہ بیتاب کہ ٹھیرے تو کہاں کا جینا
غم وہ جوہر کہ ہے دراصل حقیقت میری

مطمئن عشرتِ جاں سے نہ غمِ جاناں سے
جانے کیا مانگتی ہے مجھ سے محبّت میری

زر و گوہر کے لئے ہوتی ہے دامن کی تلاش
نازِ دامن بھی اُٹھاتی نہیں غیرت میری

زورِ باراں ہو تو رونے میں گذر بھی جائے
چاندنی رات میں دیکھے کوئی حالت میری

میں نے انجام کو آغاز میں دیکھا ہے نہاں
رنج میں میری خوشی، درد ہے راحت میری

۴۴

بڑھا کچھ اور بھی احساس غم کا
چڑھا سورج تو سایا اور چمکا

جسے کہتی ہے دُنیا شادمانی
وہ اک بدلا ہوا نقشہ ہے غم کا

تغافل بھی ہے اِک طرزِ توجہ
ستم بھی ایک پردہ ہے کرم کا

ترے دامن کو بھر دوں موتیوں سے
تقاضا ہے یہ میری چشمِ نم کا

بہ قدرِ شوقِ دل ہے دولتِ درد
یہاں جھگڑا نہیں کچھ بیش و کم کا

سنا ہے شاعری ہے دوسرا نام
مرے جذباتِ دل کے زیر و بم کا

نہاںؔ کا نام تک باقی نہیں ہے
کرم دیکھو زمانے کے ستم کا

۴۵

خواہش ہی نہ ہو کوئی تو آرام نہیں کیوں
مایوسیِ پیہم کا سکوں نام نہیں کیوں

دل کو بھی گِلہ ہے تو مقدر سے گِلہ ہے
اُس عہدِ فراموش پہ الزام نہیں کیوں

چھَنٹتا ہی نہیں ابر، بدلتا ہی نہیں وقت
میرے لئے آخر سحر و شام نہیں کیوں

لے دے کے وہی مشورۂ ترکِ محبّت
ناصح کو زمانے میں کوئی کام نہیں کیوں

پوچھو یہ محبت سے کہ دنیائے عمل میں
ناکام جو ہو جائے وہ ناکام نہیں کیوں

معلوم تو ہو گا تجھے اے دردِ محبت
دل شکوہ طرازِ غمِ ایام نہیں کیوں

منزل سوہناں۔ راہ کہ کاٹے نہیں کٹتی
آخر سفرِ زیست کا انجام نہیں کیوں

(۴۶)

روحِ آزادی پہ اک بندِ گراں دیکھا کیے
ہم قفس میں پھر بھی خوابِ آشیاں دیکھا کیے

اور ہم سے بیکسوں کا کون ہوتا غمگسار
آپ ہی ہم اپنے مٹنے کا سماں دیکھا کیے

اِک جہانِ گفتگو تھا وہ سکوتِ منفعل
شکوہ کیا کرتے یہ اندازِ بیاں دیکھا کیے

دیکھ کر مجھ کو وہ سمجھے رازِ پنہاں کچھ ضرور
غور سے رنگِ نگاہِ رازداں دیکھا کیے

کس گھڑی رکھّی تھی کیا جانے بنائے آشیاں
روز اِک بجلی حریفِ آشیاں دیکھا کیے

اللہ اللہ جذبۂ ذوقِ محبّت کا اثر
ذرّے ذرّے میں نہاں ہم اِک جہاں دیکھا کیے

۴۷

فقیہہِ شہر ہے خود ہی رقیب کیا کہنا
تمہارے شہر کی رسمِ عجیب کیا کہنا

دھنک کے رنگ سے لہرا رہے پلکوں پر
یہ رت جگوں کا طلسمِ عجیب کیا کہنا

یہی کہ دل سا دھڑکتا ہے ذرّہ ذرّہ میں
نشانِ منزل کوئے حبیب کیا کہنا

کچھ اس طرح سے گریں بجلیاں گلستاں پہ
گلوں کے جاگ اُٹھے ہیں نصیب کیا کہنا

جنہیں شعور نہیں زندگی کی قدروں کا
محبتوں کے بنے ہیں نقیب کیا کہنا

ہوا ہے یوں بھی نہاں بارہا محبت میں
میں اُن سے دُور وہ مجھ سے قریب کیا کہنا

(۴۸)

رازِ ہے حسن کا جوانی کا
ایک ٹکڑا مری کہانی کا
نگہِ شوق مجھ کو لوٹ نہ لے
سامنا شاہدِ جوانی کا
کتنا نازک ہے کتنا محکم ہے
موت سے رشتہ زندگانی کا
نسبتِ آفتاب و شبنم میں
ہے نہاں رازِ عمرِ فانی کا
کھل گیا اُن پہ آخرش غمِ عشق
ناز ہے مجھ کو بے زبانی کا
دل میں شعلے ہیں آنکھ میں آنسو
مرحبا ساتھ آگ پانی کا
دیکھتے ہیں نہاں کو اہلِ نظر
شکریہ اُن کی مہربانی کا

(۴۹)

کس گیسوؤں والے کے ہونٹوں پہ ہنسی آئی
ساون کی گھٹاؤں میں اک برق سی لہرائی

رقصاں ہیں خیالوں میں گلشن تری یادوں کے
پھر جوشِ جنوں اُبھرا پھر فصلِ بہار آئی

ہے یہ بھی کوئی شاید پیغامِ محبت کا
اک ہوک اُٹھی دل میں جب یاد تری آئی

میرے دلِ ویراں میں مہکا نہ کنول کوئی
آنے کو زمانے میں سو بار بہار آئی

محفل ہے بہاروں کی ویرانۂ ہستی میں
لیکن دلِ محزوں ہے اور عالمِ تنہائی

پھر چھاؤں میں تاروں کی بیٹھی ہوں غزل لکھنے
پھر گونج اُٹھی دل میں جذبات کی شہنائی

اس شاہدِ رعنا کو دیکھا ہے نہاںؔ جب سے
جچتی نہیں نظروں میں پھولوں کی بھی رعنائی

۵۰

وہ مرے حالِ زبوں پر مُسکرانے آئے ہیں
اور احساسِ زبوں حالی بڑھانے آئے ہیں
حادثاتِ زندگی پر مُسکرانے آئے ہیں
دردِ اُلفت بن کے وہ دل میں سمانے آئے ہیں
چھیڑنے آئے ہیں دستِ آرزو سے دل کے تار
سازِ بے آواز میں نغمے جگانے آئے ہیں
کس قدر شاداب و رنگیں ہے مری دُنیائے دل
جب سے وہ بزمِ تصوّر کو سجانے آئے ہیں
زیست کی ناکامیوں نے کر دیا تھا گُل جسے
پھر اُسی شمعِ تمنّا کو جلانے آئے ہیں
اب کہاں تھی قلبِ مضطر میں محبّت کی خلش
سو گیا تھا جذبۂ اُلفت جگانے آئے ہیں
میں تو اپنی زندگی ہی سے خفا ہوں اے نہاںؔ
ذوقِ اُلفت بن کے وہ کس کو منانے آئے ہیں

۱۵

حادثے دہر کے بیکار نظر آتے ہیں
مطمئن اُن کے طلبگار نظر آتے ہیں

اب کوئی میری تباہی میں کمی باقی ہے
کس لئے وہ مرے غمخوار نظر آتے ہیں

شوقِ کامل ہو تو آسانی و دشواری کیا
راستے زیست کے ہموار نظر آتے ہیں

سچ تو یہ ہے رہِ ہستی میں بھٹک جانے پر
منزلِ زیست کے آثار نظر آتے ہیں

اُن پہ کس طرح کریں دعویٔ خوں محشر میں
ہم تو خود اُن کے طرفدار نظر آتے ہیں

حرم و دیر کا پرتو ہے کہ انساں اب تک
بستۂ سبحہ و زُنّار نظر آتے ہیں

فیض کس مستِ نظر کا ہے یہ ہم پر کہ نہاں
بے پیئے بیخود و سرشار نظر آتے ہیں

۵۲

اُن کی نگاہ سے جو سہارا سا مل گیا
طوفانِ غم میں دل کو کنارا سا مل گیا

گو اُس نظر میں حسنِ تغافل کا رنگ تھا
پھر بھی مجھے وفا کا اشارا سا مل گیا

آلامِ زندگی کی شکایت نہیں رہی
جس دن سے ایک درد گوارا سا مل گیا

تیری نظر سے دل کو وہ تسکیں عطا ہوئی
غمہائے روزگار کا چارا سا مل گیا

یارائے ضبط اور دلِ مبتلائے درد
لیکن تری نگاہ سے یارا سا مل گیا

احساسِ زندگی سے مرا دل دھڑک اُٹھا
خنجر تری نظر کا پیارا سا مل گیا

اُمّید کی جھلک نگہِ دوست میں نہاں
اک ڈوبتے کو جیسے سہارا سا مل گیا

۵۳

غم سے لبریز جامِ ہستی ہے / زہر ہے اور برنگِ مستی ہے

یاس ہر چیز سے برستی ہے / میری دنیا غموں کی بستی ہے

رات بھر چشمِ تر برستی ہے / شبِ مہ اور دل کو ڈستی ہے

روح اب غرقِ کیف و مستی ہے / اُن کی نظروں سے مے برستی ہے

آپ کی جنبشِ نظر توبہ / تہ و بالا سی دل کی بستی ہے

آفریں اے فروغِ جلوۂ دوست / ہر بلندی نظر میں پستی ہے

آ بھی جاؤ کہ اِک زمانے سے / دیکھنے کو نظر ترستی ہے

یوں ہو دامن کشاں وہ جانِ حیات / واہ کیا انقلابِ ہستی ہے

یہ بھی اِک جبر ہے مشیّت کا / ورنہ ہستی کی خاک ہستی ہے

قیدِ غم سے کسے نجات کہ یاں / موت مہنگی حیات سستی ہے

مرگ بردوشِ زندگانی پر
اے نہاںؔ اہتمامِ ہستی ہے

(۵۴)

اتنا بھی نہ زیرِ بار کرنا ہستی سے نہ شرمسار کرنا
مر کے بھی نہ کم ہو بیقراری اتنا تو نہ بیقرار کرنا
دیوانہ ہے جانے کب مچل جائے اس دل کا نہ اعتبار کرنا
رُسوا نہ ہو رازِ عشق اے دوست آنکھوں کو نہ اشکبار کرنا
خاموش ہے شکوہ سنجِ اُلفت اب عذرِ جفا ہزار کرنا
دامانِ وفا کو خونِ دل سے یکسر ہمیں لالہ زار کرنا
ہر دم دمِ واپسیں ہے اے دوست اب میرا نہ انتظار کرنا
موت اچھی ہے ایسی زندگی سے اے طولِ غم اختصار کرنا
وابستگیِ غمِ نہاں سے
تم خود کو نہ سوگوار کرنا

۵۵

وقارِ محبت نگوں سر نہیں ہے — جبیں مائلِ سجدۂ در نہیں ہے
مرے ضبط کی حد مقرر نہیں ہے — ستم کون سا ہے جو مجھ پر نہیں ہے
خوشی راس آئی نہ غم راس آیا — یہ کیا ہے جو حسنِ مقدر نہیں ہے
وہاں امتحانِ وفا ہے قیامت — یہاں صبر کی تاب دم بھر نہیں ہے
بہ اندازۂ حسرتِ دیدہ و دل — ترا درد مجھ کو میسر نہیں ہے
ستم اے فلک از رہِ مہربانی — کرم کا دلِ زار خوگر نہیں ہے
وہ دل خاک دل ہے جو غم سے ہو خالی — وہ سر جس میں سودا نہ ہو سر نہیں ہے
شبِ غم فضا ہی کو تکلیف دیتے — مگر کیا کریں بخت یاور نہیں ہے
وہ تسکینِ قلب و نظر بن کے آئے — سکوں پھر بھی دل کو میسر نہیں ہے
یہاں اور جزائے غمِ زیست اے دل! — یہ دُنیا ہے دنیا یہ محشر نہیں ہے

نہاںؔ بزمِ ہستی میں کیا دل لگانا
یہ مہماں سرا ہے کوئی گھر نہیں ہے

(۵۶)

روشنی چاہئے کچھ خانۂ ویراں کے لئے
گر نہیں شمع تو بجلی ہو چراغاں کے لئے

درد ہی کاش فزوں ہو کے دوا بن جائے
کوئی صورت تو ہو تسکینِ دل وجاں کے لئے

یاس و حرماں کے تسلسل نے بڑے پیار کے ساتھ
چُن لیا دل کو مرے لطفِ فراواں کے لئے

بن گئی اور قیامت ترے دامن کی ہَوا
آگ بھڑکائی ہے کیا کیا دلِ سوزاں کے لئے

ہے یہ وہ درد کہ جس کا نہیں جز درد علاج
غمِ دل شانہ ہے زلفِ غمِ دوراں کے لئے

یوں ملیں خاک میں افسوس مرے اشکِ وفا
کہ یہ موتی تھے ترے گوشۂ داماں کے لئے

شک نہیں اس میں کہ عالی ہے بہت ظرف نہاں
پھر بھی برداشت کی حد ہوتی ہے انساں کے لئے

۵۷

دنیا سے طبیعت ہے کچھ اُکتائی ہوئی سی
ہستی کی کہانی تو ہے دہرائی ہوئی سی

اے گردشِ ایّام دل و روح پہ آخر
افسردگیٔ مرگ ہے کیوں چھائی ہوئی سی

دل سرد ہے ڈوبی سی ہیں جذبات کی نبضیں
احساس کی دُنیا کو ہے نیند آئی ہوئی سی

لپٹی ہے رُخِ زیست سے یوں کاکُلِ حالات
جس طرح کہ ناگن کوئی بل کھائی ہوئی سی

دامانِ تصوّر نے ترے لاکھ ہوا دی
پھر بھی تو کلی دل کی ہے مُرجھائی ہوئی سی

اے موت کسی اور جہاں میں مجھے لے چل
دُنیا تو ہے برتی ہوئی برتائی ہوئی سی

ٹوٹے گی کوئی تازہ بلا جانِ نہاں پر
لو شمع حوادث کی ہے تھرّائی ہوئی سی

(۵۸)

ہر ایک شے ہے مقدّر کسی کسی کے لئے
کوئی خوشی کے لئے کوئی بے کلی کے لئے

تمہاری یاد بھی شامل غمِ حیات میں ہے
لگا رکھی ہے یہ دل سے کبھی کبھی کے لئے

یہ اپنا اپنا مقدّر ہے اپنا اپنا نصیب
ہمیں تھے آپ کی محفل میں دشمنی کے لئے

کسی کے وعدۂ فردا کی لذّتوں کے نثار
پہاڑ بن نہ سکی زندگی کسی کے لئے

وہ جانے قدرِ غمِ زیست اے خوشی والو
تمام عمر مرے جس نے بے کسی کے لئے

ہزار چاہا پہ کمبخت تو ہی خوش نہ ہوا
بہت جتن کئے اے دل تری خوشی کے لئے

خدا گواہ خدا بننا پھر بھی آساں ہے
بڑے ہنر کی ضرورت ہے بندگی کے لئے

عجیب شے ہے یہ اس کو کہیں سے پیدا کر
دل اور چاہیے ناداں قلندری کے لئے

یہ گنجہائے معانی اسی کو ملتے ہیں
نہاں پیا کرے جو خوں سخنوری کے لئے

۵۹

نذرِ غالبؔ

مرتبہ دیکھو تو میرے خانۂ تقدیر کا
شاخِ گُل سے دار تک شہرہ ہے اس تحریر کا

جب کیا اپنا تصوّر، رنگ نکھرا اور بھی
ذہن کی دیوار پر لٹکی ہوئی تصویر کا

جتنا جتنا درد کا لمحہ قریب آتا گیا
فاصلہ بڑھتا گیا احساس کی زنجیر کا

آج بھی لوحِ وفا پر نقش ہے کل کی طرح
وہ لب و لہجہ تری رعنائیِ تقریر کا

آئینہ تو اصل میں سچ کی علامت ہے نہالؔ
میں ہی دھوکا کھا گئی تھی خواب کی تعبیر کا

۶۰

فسردہ دلی سی فسردہ دلی ہے
یہی زندگی ہے تو کیا زندگی ہے

خبر دے رہا ہے یہ حسنِ تغافل
مرے حالِ دل سے اُنھیں آگہی ہے

بڑی چیز دردِ محبت ہے لیکن
غمِ زندگی پھر غمِ زندگی ہے

سلام اے غمِ دل کہ تیری بدولت
خوشی کو مری دُور سے بندگی ہے

زمیں کو ہے گردش زماں کو ہے گردش
مگر ہیں وہی میری دُنیا وہی ہے

ذرا پاؤں آہستہ رکھنا زمیں پر
تہِ خاک بھی ایک بستی بسی ہے

مقدّر کی گردش تلاطم کے بدلے
مہاں میری خاطر سکوں بن گئی ہے

۶۱

داغِ دل ہے اے نہاںؔ گُل برگِ تر تیرے لیے
آنسوؤں کا تار ہے سلکِ گہر میرے لیے

آہِ غم میرے لیے ہے چشمِ تر میرے لیے
دردِ دل میرے لیے سوزِ جگر میرے لیے

اُلجھنیں ہی الجھنیں آٹھوں پہر میرے لیے
اک معمہ بن گئے شام و سحر میرے لیے

لمحہ لمحہ میری خاطر آسماں گردش میں ہے
ہر نفس ہے اک بلائے تازہ تر میرے لیے

اس طرف بے چینیاں ہیں اُس طرف ناکامیاں
زندگی کرب و الم ہے سر بسر میرے لیے

کیا خبر تھی حُسنِ قسمت سے مشیت کی نظر
مہرباں ہو گی بہ اندازِ دگر میرے لیے

میرے دامن میں نہاںؔ جُز خارِ حسرت کچھ نہیں
زندگی ہے شاخِ بے برگ و ثمر میرے لیے

٦٢

مسکرایا جنوں بہار آئی / میں تماشا جہاں تماشائی

موت پیغام زندگی لائی / یعنی بیمار نے شفا پائی

دل میں احساسِ درد جاگ اُٹھا / مستیٔ موسم نے لی جو انگڑائی

شمعِ رُخسارِ دوست کے آگے / مشعلِ مہر و ماہ تھرّائی

اس تکلّف کی کیا ضرورت ہے / چھوڑیئے رسمِ چارہ فرمائی

بڑھ گئے ہم حدودِ منزل سے / دیکھنا شوقِ راہ پیمائی

زخم دل کے سدا ہرے ہی رہے / اس چمن میں خزاں نہیں آئی

عیش و عشرت خیال و خواب ہوئے / غم پہ اب تک وہی ہے رعنائی

رہروِ سست گام ہوں میں نہاں
زندگانی ہے راہ پیمائی

(۶۳)

پیغامِ تسکیں کوئی تو لائے
یا آپ آئیں یا موت آئے

آنکھوں نے کیا کیا طوفاں اُٹھائے
جنگل بھرے اور دریا بہائے

اب منعِ گریہ کرنے سے حاصل
کوئی کسی کا دل کیوں دکھائے

اِک تم کو میں نے جانا تھا اپنا
افسوس تم بھی نِکلے پَرائے

تلووں کے چھالے ذوقِ سفر میں
رِسنے لگے خود بیٹھے بٹھائے

مایوس دل کی دُھندلی فضا میں
مدھم ہیں جلوے روشن ہیں سائے

دردِ نہاں کی بیچینیوں پر
جانے قضا کو کب رحم آئے

۶۴

خبر کیا تھی رہے گا رازِ محرومی عیاں ہو کر
دلِ بیتاب غمازی کرے گا راز داں ہو کر

فلاحِ ملک و ملت مقصدِ کون و مکاں ہو کر
ہمیں جینا ہے بُت خانے میں آوازِ اذاں ہو کر

گئے وہ دن کہ روحِ شوق تھی مستِ غزلخوانی
ہنسی بھی اب مرے ہونٹوں پہ آتی ہے فغاں ہو کر

یہ حسرت ہے تمنا دل کی نکلے بھی تو یوں نکلے
خیالِ عیش آئے بھی تو مرگِ ناگہاں ہو کر

نہیں معلوم کن پیہم خطاؤں کے نتیجے میں
مسلسل زندگانی رہ گئی ہے امتحاں ہو کر

مزہ جب ہے ہماری داستانِ درد و ناکامی
زبانِ دہر پر آئے تمہاری داستاں ہو کر

مرے اشعارِ رنگیں اے مہاں گلرنگ شعلے ہیں
اُتر جاتے ہیں قلب و روح میں سوزِ نہاں ہو کر

(۶۵)

کیوں آزماتے ہو ستمِ بے پناہ کو
دیکھا نہیں ہے تم نے غریبوں کی آہ کو

ساحل سے کام ہے نہ غرض ناخدا سے ہے
کشتی نے پالیا ہے بھنور کی پناہ کو

جانا کدھر تھا خضر کدھر لے چلے ہیں
منزل کے ساتھ کچھ تو تعلق ہو راہ کو

اِس دورِ انقلاب نے سرخم کئے ہوئے
دیکھا ہر اک بڑے سے بڑے کج کلاہ کو

محرومِ التفات کہاں تک رہے کوئی
تکلیف دیجئے ستمِ گاہ گاہ کو

غفلت نے جن کی مجھ کو تماشا بنادیا
وہ کاش دیکھتے مرے حالِ تباہ کو

تاریکیِ اجل میں جو مدت سے ہے نہاں
دل اب بھی ڈھونڈتا ہے اُسی رشکِ ماہ کو

(۶۶)

اِک پیامِ ناز لے کر آ گئی
زندگی اک راز لے کر آ گئی

یاں لبوں تک نغمہ آیا بھی نہ تھا
دل کی دھڑکن ساز لے کر آ گئی

دورِ گل میں بے پر و بالی مری
حسرتِ پرواز لے کر آ گئی

گردشِ تقدیر میرے واسطے
چرخ کا انداز لے کر آ گئی

ظلمتِ ماحول میں ہمّت مری
جیسے شمعِ ناز لے کر آ گئی

دل میں گونجی وہ صدائے جاں گداز
خامشی آواز لے کر آ گئی

رحمتِ یزداں مرے حق میں نہاں
اِک نیا انداز لے کر آ گئی

(۶۷)

ملتفت وہ نظر نہیں ہوتی
نہیں ہوتی مگر نہیں ہوتی

آگ دل میں بھڑکتی رہتی ہے
آنکھ ہر چند تر نہیں ہوتی

دل سے باتیں بھی کر کے دیکھ لیا
شبِ غم مختصر نہیں ہوتی

چھایا رہتا ہے اِک دُھندلکا سا
غم کدے میں سحر نہیں ہوتی

پرسشِ حال تو وہ کرتے ہیں
حالِ دل پر نظر نہیں ہوتی

اُن کو میری خبر نہ ہو جب تک
مجھ کو اپنی خبر نہیں ہوتی

باوجودِ تغافلِ بسیار
وہ نظر بے خبر نہیں ہوتی

زندگی، زندگی نہیں جب تک
زندگی پر نظر نہیں ہوتی

غمِ ماضی، اُمیدِ مستقبل
حال پر کیوں نظر نہیں ہوتی

بڑھتے جاتے ہیں سلسلے غم کے
زندگی مختصر نہیں ہوتی

نہیں کٹتی شبِ حیات نہاںؔ
نہیں ہوتی سحر نہیں ہوتی

(۶۸)

اہلِ ہوس سے دُور کہیں اِک جہاں بنا
اے دل نئی زمین نیا آسماں بنا
ہمت کو کر بلند ارادے جواں بنا
جہد و عمل کو حاصلِ عمرِ رواں بنا
زندہ رہے یہ قوم وہ دُنیا میں کام کر
اس سرزمینِ پاک کو جنّت نشاں بنا
ہمدردی و وفا بنیں دیوار و در کا نقش
جس کی بنا خلوص ہو ایسا مکاں بنا
روشن لہُو سے حق و صداقت کی شمع کر
اپنے صریرِ خامہ کو بانگِ اذاں بنا
کچھ کُھل سکا نہ مقصدِ کون و مکاں ہے کیا
گر ہو سکے تو مقصدِ کون و مکاں بنا
اَے حُسن اس ادا سے ہو مستِ خرامِ ناز
ہر نقشِ پا سے پھول بنا کہکشاں بنا
تنظیم و اتحاد و یقیں کے پیام کو
بیداریِ وطن کا عَلم اے نہاںؔ بنا

(۶۹)

تیرا بدل یہ گردشِ دوراں بنا لیا
پابندیِ حیات کو زنداں بنا لیا

افسانۂ حیات کو عنواں کی تھی تلاش
غمہائے روزگار کو عنواں بنا لیا

اِک جانِ نوبہار کے غم میں ملے یہ داغ
دامانِ دل کو ہم نے گلستاں بنا لیا

تو نے کیا گریز تو اے رونقِ حیات
ہم نے ترے خیال کو مہماں بنا لیا

شانے کو دلفگار جو دیکھا تو زُلف نے
کچھ اور اپنا حال پریشاں بنا لیا

اب درد کی خلش ہے نہ درماں کی احتیاج
ہم نے وفورِ درد کو درماں بنا لیا

انساں کُشی کو دورِ ترقّی میں اے نہاںؔ
انسانیت نے مقصدِ انساں بنا لیا

(۷۰)

قربان دردِ عشق و غمِ روزگار کے
محور یہی ہیں گردشِ لیل و نہار کے

تابندہ ہیں گہر مرے اشکوں کے تار کے
مہکے ہوئے ہیں پھول دلِ داغدار کے

اِک سانس کی بھی ہم کو فراغت نہیں ملی
ہم عرصہ گاہِ حشر میں کہہ دیں پکار کے

ویران زندگی میں کھلا کر سخن کے پھول
ہم نے خزاں میں رنگ بھرے ہیں بہار کے

اَے سوزنِ تدبر و عقلِ گرہ کُشا
انسان بیٹھ جائے نہ ہمت کو ہار کے

اَبر و شفق میں پھولوں میں ماہ و نجوم میں
اُبھرے ہوئے نقوش ہیں پائے نگار کے

میں اور شکوہ سنجیٔ غمہائے روزگار
پھر کس کے واسطے ہیں یہ غم روزگار کے

انسان میں بھی ہوں مرے دل میں بھی اَے نہاں
چاہت کے ولولے بھی تو ارماں تھے پیار کے

۷۱

دلِ برباد کا کوئی تو نشاں دے مجھ کو
نکہتِ گُل نہ سہی برگِ خزاں دے مجھ کو

نارسائی کا گِلہ لب پہ نہ آجائے کہیں
دینے والے کفِ الماس فشاں دے مجھ کو

پھر دلِ زخم رسیدہ نے ترا نام لیا
پھر کوئی ہدیۂ آشوبِ زماں دے مجھ کو

اشک آنکھوں سے ٹپکتے ہیں ٹپکتے ہی رہیں
دیکھ کر دل مرا اندوہِ جہاں دے مجھ کو

بھول جاؤں میں یہ اسرارِ تجسس کا سفر
تو اگر اوجِ ثریّا کا گماں دے مجھ کو

دیکھ کر دل مرا اندازۂ وسعت نہ لگا
دولتِ درد کی ہاں تاب وتواں دے مجھ کو

لبِ نغمہ پہ نہاں کے نہ لگے خوف کی مُہر
شعر ونغمہ کا تو اندازِ بیاں دے مجھ کو

۷۲

ایک اک آنسو غم کا تارا — دل کا ایک اِک داغ شرارا
غنچے چٹکے گلشن مہکا — تیری نظر کا پا کے اشارا
دل کے صبر و ضبط کا دامن — وحشت میں ہے پارا پارا
غربت میں بھی صبحِ وطن کا — روشن ہے آنکھوں میں نظارا
دردِ محبّت آپ ہے درماں — کیسی دوا اور کیسا چارا
اَب تو آجا دُور اُفق پر — ڈوب رہا ہے صبح کا تارا

دل کی دھڑکن تیز ہوئی ہے
تم کو نہاں کیا اُس نے پکارا

۷۳

لاکھ گو اہلِ وفا اہلِ وفا نے ڈھونڈے
پر ملے تب ہی کہ جب بخت رسا نے ڈھونڈے

ہر کوئی دہر میں دن رات سہانے ڈھونڈے
یہ دلِ غمزدہ رونے کے بہانے ڈھونڈے

ایک تو ہی نہ ملی دہر میں اے جنسِ وفا
ہم نے تیرے لئے کیا کیا نہ ٹھکانے ڈھونڈے

خوب سے خوب جو تھے اُن کو لیا چُن چُن کے
ہم وہ بدبخت کہ اب تک نہ قضا نے ڈھونڈے

جلوے کچھ پائے تو وہ اپنے ہی دل میں پائے
ورنہ اس دُھن میں بہت آئینہ خانے ڈھونڈے

تجھ سے جو مانگا وہی تیرے خزانے سے ملا
گنج کیا کیا نہ عطاؤں کے دُعا نے ڈھونڈے

اِک ترے غم کے سوا کوئی نہ دمساز ملا
نکلے بیگانے وہ جو جو بھی یگانے ڈھونڈے

فاش ہی ہو کے رہا رازِ محبّت کا نہاں
گو چھپانے کے بہت حیلے بہانے ڈھونڈے

(۷۴)

کبھی چپ ہوں کبھی اُداس اُداس
اور اب کیا رہا ہے میرے پاس

ہم تو پھر بھی ہیں وضع پر اپنی
ورنہ اب ہے کسے وفا کا پاس

شامِ غربت میں دیکھئے کیا ہو
مجھ کو صبحِ وطن تو آئی نہ راس

کس نے کنجِ قفس میں آہ بھری
اُڑ گئی پھول پھول سے بُو باس

مہ و مہر و نجوم کو دیکھا
حسن ہی کائنات کی ہے اساس

میں نے دیکھا ہے آج اُنھیں بھی نہاں
وہ بھی ہیں آپ ہی کی طرح اُداس

(۷۵)

ہر ایک اشک میں دہکا ہوا چمن دیکھا
عجیب شہرِ غمِ دل کا بانکپن دیکھا

کھلی جو آنکھ سحر دم روش روش میں نے
صبا کا حسن رگِ گل میں موجزن دیکھا

ہر ایک شکل میں پرچھائیوں کا پس منظر
نئے زمانے کا یہ بھی ہے اک چلن دیکھا

کلی کلی میں سمٹ کر بہار کیا آئی
کہ شاخ شاخ کا جلتا ہوا بدن دیکھا

تمھارنگ رنگ فسانوں میں محو اک عالم
کسی نے بھی نہ حقائق کا پیرہن دیکھا

ٹھہر ٹھہر سی گئیں دھڑکنیں تجسّس کی
جو دل کو واقفِ اسرارِ انجمن دیکھا

ترے خیال کی چٹکی ہوئی شبِ مہ میں
قریبِ جاں کوئی تجھ سا ہی گلبدن دیکھا

لبوں پہ جاگ اُٹھا انقلاب کا نعرہ
اسیرِ پنجۂ ظلمت اگر وطن دیکھا

لرز لرز گیا نظّارگی کا ذوقِ لطیف
کبھی جو دیدۂ وا سے نہاں چمن دیکھا

۷۶

آنکھوں میں لے کے دہر کا غم جاگتے رہے
تاروں کی طرح رات کو ہم جاگتے رہے

جب بھی ترے خیال سے مہکے ہیں دل کے داغ
پہروں دل و نگاہ بہم جاگتے رہے

وہ سو گئے جو نشّۂ عیش و نشاط میں
ہم عمر بھر بہ دیدۂ نم جاگتے رہے

گلزار میں کچھ ایسے بھی گوشے ملے جہاں
عہدِ خزاں کے ظلم و ستم جاگتے رہے

فطرت لپٹ کے سو گئی غم کی رِداؤں میں
لیکن حقیقتوں کے بھرم جاگتے رہے

ہر سنگِ میل دے گا گواہی سحر کے وقت
کیا کیا نہ ہم پہ شب کے ستم جاگتے رہے

بے کیف روز و شب کی طرح دل کے آس پاس
گذرے ہوئے زمانے کے غم جاگتے رہے

جب بھی سرِ خیال جلی مشعلِ بہار
ہم مثلِ دل قدم بہ قدم جاگتے رہے

دار و رسن سے کوچۂ اصنام تک نہاں
ذہنوں کے ساتھ لوح و قلم جاگتے رہے

۷۷

خزاں کے ہاتھوں ستم ہم نے گو اُٹھائے بہت
چمن میں پھر بھی نشیمن نئے بنائے بہت

تمہارے غم نے ہی مہلت نہ دی وگرنہ ہمیں
قدم قدم پہ ملے زندگی کے سائے بہت

خزاں کی دست درازی کا کیا کریں شکوہ
بہار نے بھی تو گلشن پہ ظلم ڈھائے بہت

اُڑا کے لے گئی اُس کو ہوائے شوقِ طلب
رہِ جنوں میں خرد نے قدم جمائے بہت

نشان مل نہ سکا آدمی کی منزل کا
سراغ منزلِ جاناں کے ہم نے پائے بہت

خلوص اب بھی دھڑکتا ہے دل میں دل کے ساتھ
پر اس جہان میں ہم نے فریب کھائے بہت

تمام عمر رہے ہیں رہینِ تیرہ شبی
فلک سے توڑ کے تارے اگرچہ لائے بہت

نکھر سکا نہ جمالِ فراق کا عالم
نہاںؔ نے اشک شب و روز گو بہائے بہت

۷۸

حیاتِ بے نشاں ہے اور میں ہوں
خود اپنا امتحاں ہے اور میں ہوں

تمنّاؤں کی سُونی رہ گذر میں
غبارِ کارواں ہے اور میں ہوں

مری ویران آنکھوں میں سُلگتا
وہی غم کا دھواں ہے اور میں ہوں

وہ غم تیری امانت تھا جو دل میں
محیطِ دو جہاں ہے اور میں ہوں

لبوں پر آج تک اے زخمِ خنداں
سکوتِ جاوداں ہے اور میں ہوں

مری مشتاق آنکھوں میں شبِ غم
خیالِ رفتگاں ہے اور میں ہوں

دلِ مایوس و تنہا میں تری یاد
مثالِ جانِ جاں ہے اور میں ہوں

دُھندلکے میں نہاں حدِّ نظر تک
بڑا دلکش سماں ہے اور میں ہوں

۷۹

شبِ ہجراں کی تیرگی نہ گئی — آہ صبحوں کی بیکسی نہ گئی

راز کیا ہے تبسّمِ گُل میں — اتنی گہرائی تک کلی نہ گئی

غمِ جاناں سے ہو گریز جہاں — ایسی راہوں میں زندگی نہ گئی

رنگ کتنے بدل چکی ہے حیات — میری نظروں کی سادگی نہ گئی

وقت کی آگ میں جھلس کر بھی — میرے لب پر جو تھی ہنسی نہ گئی

کیا سُنو گے فسانۂ غم جب — دردِ دل کی صدا سُنی نہ گئی

کتنے سورج ہوئے طلوع مگر — تیرے جلوؤں کی تشنگی نہ گئی

بات کہہ دی وہ ان نگاہوں نے
اے نہاںؔ تم سے جو کہی نہ گئی

(۸۰)

جاں ترے غم کی نذر کر بھی گئے　　جن کو جینا تھا وہ تو مر بھی گئے
بادباں کھولنے سے کیا حاصل　　دھوپ کے رنگ تو بکھر بھی گئے
گو بجتی ہی رہیں تری یادیں　　لے کے اس دل کو ہم جدھر بھی گئے
لفظ و معنی کو کچھ خبر نہ ہوئی　　رنگ اظہار کے بکھر بھی گئے
زندگی سوچتی رہی تنہا　　کارواں درد کے گذر بھی گئے
ڈھونڈئیے کیا اُنھیں ستاروں میں　　آنکھ سے دل میں جو اُتر بھی گئے

خاکۂ وقت میں حیات کا رنگ
ہم نہاں اپنے خوں سے بھر بھی گئے

۸۱

دیکھتی ہوں کب سے تیرِ بے اماں کا راستہ
کب کھُلے گا مجھ پہ مرگِ ناگہاں کا راستہ

ہر قدم پھیلا ہے سنّاٹا دیارِ خوف میں
زندگی کا راستہ اُف الاماں کا راستہ

میرے آنسو بن گئے ماہ و نجوم و کہکشاں
اس قدر روشن کہاں تھا آسماں کا راستہ

زندہ رہنے کے لئے جس نے چُنے تھے چند پھُول
زندگی میں کھُل گیا اُس پر خزاں کا راستہ

میرا مسلک ہے محبّت، میرا مذہب ہے وفا
میں نے اپنایا ہے کب اہلِ جہاں کا راستہ

اِس قدر شوقِ تعلق۔ سے نہ بھٹے بیگا نہ ہم
اس قدر دُھندلا نہ تھا یہ لامکاں کا راستہ

ہم کبھی وہ تھے کہ تھا انسانیت اپنا شعار
کون اپنائے اسے اب یہ کہاں کا راستہ

میں نے اپنوں سے کیا ہے شاعری میں کسبِ فیض
میری پروازِ تخیّل ہے بیاں کا راستہ

میرا ذوقِ جستجو بیتاب رکھتا ہے نہاں
ورنہ منزل کس کو کہتے ہیں کہاں کا راستہ

(۸۲)

کِس کا غم ہو گیا پل بھر میں جواں کیا معلوم
زندگی کیوں ہوئی مانوسِ فغاں کیا معلوم

کیوں ہے اب تک مری نظروں سے نہاں کیا معلوم
جس کا آئینہ ہوں میں وہ ہے نہاں کیا معلوم

زندگی اپنی بڑی سادہ سی معصوم سی ہے
پھر یہ کس واسطے ہم پر ہے گراں کیا معلوم

نت نئے کرب مجھے شام و سحر ملتے ہیں
کیوں بنائے گئے یہ کون و مکاں کیا معلوم

جس سے وابستہ مری تیری وفا کا تھا چلن
سب پہ وہ راز ہوا کیسے عیاں کیا معلوم

جھلملاتے ہیں مری مانگ میں تارے کیسے
رہ گذر ہے تری یا کاہکشاں کیا معلوم

زندگی جبرِ مشیّت تھی کیا اُس کو قبول
پھر یہ سینے میں کسک کیوں ہے نہاں کیا معلوم

۸۳

جس کو پانے کا کوئی ڈھنگ گنوایا نہ گیا
دیکھ کر اُس کو اکیلا بھی بلایا نہ گیا

کس نے انساں کی اطاعت پہ کہا تھا لبیک
اِس حقیقت کو زبانوں پہ بھی لایا نہ گیا

جس سے مٹ جاتا ہے احساس کے جذبوں کا چلن
میرے کردار سے وہ ناز اُٹھایا نہ گیا

دشتِ رسوائی میں وہ ساتھ مرے کیا چلتے
جن سے دوگام مرا ساتھ نبھایا نہ گیا

میری خود داری نے تا عمر رکھا مُہر بہ لب
لب تو لب آنکھ سے احوال سُنایا نہ گیا

اپنی تہذیب و تمدّن کی لُٹا کر قدریں
اہلِ دنیا کو ہنساں مجھ سے ہنسایا نہ گیا

(۸۴)

جو مسکرا کے کہے اپنا مدّعا کہیے
تو جان و دل سے نہاں اس کو خوش ادا کہیے

سمٹ رہا ہے جو اپنے ہی دائرے میں اُسے
خدا کی شان، کہ حُسنِ گریز پا کہیے

پُرانا زخم تری یاد کا ہوا تازہ
بہارِ نَو کی اُسے خوبیٔ ادا کہیے

ترس گیا ہے دلِ نامراد منزل کو
جو ہو سکے تو اسے جورِ رہنما کہیے

جو بات بات پہ منہ اپنا پھیر لیتا ہے
تو ہی بتا کہ مرے شوق اس کو کیا کہیے

لبوں پہ مُہرِ خموشی کے باوجود اب تو
جو دل کا حال ہے وہ اُس سے بَرملا کہیے

بدل گیا ہے جو رستہ ہواؤں کی صورت
نہاںؔ پھر اُس کو بھلا کیسے باوفا کہیے

۸۵

کون ہے یہ درونِ پردۂ راز!
سازِ فطرت پہ زمزمہ پرداز

ایک پیماں شکن نے توڑا ہے
دل ہے سارا شکست کی آواز

زندگی اک سُرورِ پیہم ہے
زندہ بادا ے نگاہِ عشوہ طراز

اشکِ رنگیں کی مختصر تمہید
عشق کے سب فسانہ ہائے دراز

وقت نے ضبط کی لگادی مُہر
ہم کہیں کس سے اَپنے دل کا راز

تیرے ذوقِ طلب میں ختم ہوئے
رازِ ہستی کے سب نشیب و فراز

(۸۶)

گُل رنگ بہاروں کا سماں دیکھنا چاہوں
کہتی ہے نظر حُسنِ جواں دیکھنا چاہوں

نظروں میں سمٹ آئے مری، جشنِ بہاراں
صحرا پہ بھی گلشن کا سماں دیکھنا چاہوں

ایک ایک سخن تیرا ہو خوشبو سے عبارت
گفتار میں وہ حُسنِ بیاں دیکھنا چاہوں

دیکھوں جو زمانے کو مصیبت میں گرفتار
پھر سینۂ کونین تپاں دیکھنا چاہوں

منزل کی طلب، شوقِ سفر کا ہے تقاضا
ہر گام پہ اب تیرا نشاں دیکھنا چاہوں

بے خواب ان آنکھوں میں سحر ہونے سے پہلے
اِک چاند نکلنے کا سماں دیکھنا چاہوں

ہوں روزِ ازل سے میں اُجالوں کی طلبگار
ظلمت کا ہر اِک داغ نہاں دیکھنا چاہوں

(۸۷)

وہ آ جائیں تصوّر میں تو اُن کو مرحبا کہیو
کبھی لُطفِ نظر کہیو، کبھی شانِ خدا کہیو

نہ کچھ اُن کا گلہ کیجو، نہ کچھ اُن کی جفا کہیو
سراپا حُسن کہیو، ایک اندازِ ادا کہیو

ملیں جو دُکھ تجھے اُن کو محبت کا صلہ کہیو
بُرا سن لیجیو لیکن نہ تو اُن کو بُرا کہیو

یہی رنگِ محبت ہے، یہی رنگِ عبادت ہے
کرے وہ بے وفائی پھر بھی اُس کو باوفا کہیو

یہ مجبوری ہے کیسی اور یہ کیسی قیامت ہے
نہ ہو جب آسرا کوئی تو اُن کو آسرا کہیو

جنوں بڑھتا ہے اپنا چاند سے رُخ کے تصوّر سے
یہ دل بیتاب ہے اُن کے لئے اَب اے صبا کہیو

حسابِ دوستاں در دل نہاں اب کون رکھتا ہے
جو کہنا ہے اُسے خط میں نہ لکھیو، برملا کہیو

(۸۸)

غمِ حیات ہے کیا شے تری خوشی کے سوا
نہیں ہے دل میں مرے کچھ بھی روشنی کے سوا

پلک پلک پہ ستارے تھے کتنے شامِ اَلم
مگر نہ تھا مری قسمت میں تیرگی کے سوا

مری وفا کا جنازہ بھلا اُٹھاتا کون
شریکِ غم نہ ہوا کوئی بے کسی کے سوا

بپا ہے ایک قیامت سی تیری دُنیا میں
مگر یہ کیا ہے تری شانِ بے رُخی کے سوا

رفاقتوں کے ہر اک لب پہ گیت تھے لیکن
نہ کام آیا کوئی اُن کی دشمنی کے سوا

نظر اُٹھی تو نہ تھا کوئی ہمسفر اپنا
وفا کے دشت میں داغوں کی روشنی کے سوا

میں بزمِ زیست میں بُجھ بُجھ کے جل رہی ہوں نہاںؔ
جہاں سے کچھ نہ ملا درسِ آگہی کے سوا

(۸۹)

نغمہ و گُل کا ہواؤں میں نشیمن دیکھا
ہم نے اِس شہر میں آواز کا گُلشن دیکھا

رات کے بھیگتے لمحوں میں غزل کہتی ہوں
صُبحِ نو! ایسا کوئی شاعرِ پُرفن دیکھا

عصمتِ مریم و حوّا پہ ہے خالق بھی گواہ
ہم نے گر دیکھا تو وہ اپنا ہی دامن دیکھا

تھی یہ خواہش کہ بھڑکتے ہوئے شعلے بجھ جائیں
آنکھ جب اُٹھی تو جلتا ہوا گُلشن دیکھا

فن میں اور حُسن میں ہے ربط ازل سے لیکن
پھر بھی فن کار کو پیارا ہے بہت فن دیکھا!

تیری آواز کی وسعت کی طرح چار طرف
ہم نے پھیلا ہوا افکار کا دامن دیکھا

شاخ در شاخ نہاں فصلِ بہار آتے ہی
برق کی زد پہ فقط اپنا نشیمن دیکھا

۹۰

دار پر خوں سے چراغوں کو جلایا جائے
کیوں نہ اس سال کا یوں جشن منایا جائے

ذکر جن کا ہے مری روح کے افسانوں میں
کسی عنواں تو اُنھیں پاس بلایا جائے

رُوح چھل جائے مگر روح پہ آئے نہ خراش
مجھ کو کانٹوں پہ اس طرح سلایا جائے

رُو بہ رُو اُن کے مناسب نہیں دل کی دھڑکن
اِس دیئے کو نہ شبِ ماہ جلایا جائے

خواہ ذرّے کو خدا کہہ کے پکارے دُنیا
لیکن انسان کا رتبہ نہ گھٹایا جائے

شہر کے لوگ اِسی غم میں پریشاں ہیں نہاںؔ
کس طرح شہر کو ویران بنایا جائے

ضمیمۂ مقدّمات

چند تبصرے جو تاخیر سے موصول ہوئے

قطعہ

خلوتِ چشم سے دامن پہ چلے بھی آؤ
آنسوؤ! روز یہ تنہائی کہاں ملتی ہے
ہے یہ بات اور کہ نازاں ہے نسیمِ سحری
ورنہ شبنم کے ہی چھینٹوں سے کلی کھلتی ہے

رابعہ نہاں

احسان دانش

۱

رابعہ نہاں ایک ایسی شاعرہ ہے کہ میں نے جب بھی اُسے سُنا اس کے الفاظ کے معانی اور خیالات کی گہرائی نے مجھے جی بھر کے داد دینے کا موقع بھی نہیں دیا۔ اس کے اشعار احساس کی شدت اور خلوص کی محرابوں سے سر جھکائے برآمد ہوتے ہیں۔ اس کا ما فی الضمیر کبھی سوز و گداز کا دامن نہیں چھوڑتا۔ اس کے الفاظ ٹھُس نہیں ہوتے بلکہ ٹکسال کے کھرے سکّوں کی طرح آتے ہیں اور نگاہوں کو خیرہ کرنے کے ساتھ ساتھ دلوں پر چھوٹ ڈالتے گزرتے ہیں۔

ہر چند کہ ہیئتِ کلام میں اس کے یہاں جدت کم اور قدامت کا عنصر غالب ہے لیکن اس کا اظہار ایسا اچھوتا ہوتا ہے کہ اس پر ہزار جدتیں قربان! میں آج کل کے جدت پسندوں کو دیکھتا ہوں تو اُن کے اکثر اشعار معانی و مطالب سے خالی ملتے ہیں۔ چلبلے الفاظ کا جھمیلا اور معانی کی اُلجھن تصوّر میں جالی سی کٹ کے رہ جاتی ہے جنہیں اوزان و بحور شعر کا نام دینے پر مصر ہوتے ہیں۔

رابعہ نہاں کی زندگی غم آلود ہے اس لئے اس کے اشعار بھی غمگینی کی صنعت ہیں۔ اُس کے یہاں غم والم کا خاموش سیلاب ہے جو تہذیب و اخلاق کی ساحل بندی میں چلتا ہے اُس میں کرب کی بازگشت بھی ہے اور حادثات کی گونج بھی۔ اس کی آواز میں زخموں کی کھرج بھی ہے اور آہوں کی آہٹ بھی ۔ اس کے اشعار میں کہیں کہیں نکلتے سورج کی کُندنی شعاعوں کا لمس بھی محسوس ہوتا ہے جو ایک غم سے دوسرے غم تک کے فاصلے

میں چراغِ راہ کا کام دیتا ہے۔ یہ وہی روشنی ہوتی ہے جس سے زندہ احساسِ سامع شعر کا ایسا بھرپور لطف نہیں اُٹھاتا جتنا شاعر کی زندگی پر غور و خوض کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

رابعہ نہاں کی شاعری اُس کی ذات کا بولتا ہوا صحیفہ ہے ایسا صحیفہ جس سے اس کی پوری زندگی طلوع ہوتی ہے اور اس کی غزل کے پیکر میں ڈھل کر دلوں کو متاثر کرتی ہے۔

اس کے یہاں کلام میں لطافت اور خوش اسلوبی کے ساتھ نزاکتِ احساس اس قدر ہے کہ اس کے اشعار میں اس کے ضبط و احتیاج کی کرچیاں جگہ جگہ بکھری ملتی ہیں جن کے دیکھنے اور غور کرنے سے کلیجا لرز جاتا ہے کیونکہ نسوانی جذبات کی زندہ تصویروں کو دیکھنے اور کھرا کھوٹا کرنے کے لئے بھی ہمت درکار ہے۔ رابعہ نہاں اپنی شاعری میں عریانی اور نامناسب بیباکی کے دریچے نہیں کھولتی۔ اس کے یہاں ایک نسائی لہجہ ہے جو بہت کم ہونٹوں کو میسّر آتا ہے۔ وہ ایک مہذب اور ثقہ خاندان کی بیدار احساس خاتون ہے جس کے بات کرنے کا سلیقہ اور آہ بھرنے کا انداز جُدا ہے۔

وہ اپنے ایک گم شدہ آسرے پر برسوں سے مجاوروں کی طرح دوزانو ہو کر آسمان کو تک رہی ہے۔ اس کی شاعری محرومی کے زرد کھرے سے برآمد ہوتی ہے اور وقت کے ناہموار راستے کے ٹھٹھرے ہوئے سناٹوں میں ہواؤں کی اُنگلی پکڑے چل رہی ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنے اندر کی آواز پر چونک پڑتی ہے لیکن اپنے اردگرد نظر ڈال کر ٹھنڈی سانسیں لینے لگتی ہے اور لرزتے ہوئے قدموں سے چلنے لگتی ہے۔

اُس کی اندوہناکی کی فصیل پر کہیں بالکل خشک اور کہیں بکسی ہوئی بیلیں اپنا تعارف تو کراتی ہیں لیکن بیتے سموں کی روداد کے لئے وہ الفاظ نہیں جو انسانی دُنیا

میں رائج ہیں مگر اُس کی فصیل کے اندر کی خوشبو اور ہواؤں کا لہجہ یہ بتاتا ہے کہ اس صحیفے کو وہی پڑھ سکتا ہے جو اس کے مضمون کا جزوِ لازم ہو اور جس کا خون اس کے عنوان میں بولتا ہو۔

ہر شاعری کا پیاسا جسم لوگوں کی سماعت کا محتاج اور توجہ کا طالب ہوتا ہے اس کی ہُوک داد طلب اور فریاد تحسین کی آرزو میں مجلسوں اور مشاعروں میں چلتی پھرتی رہتی ہے لیکن رابعہ نہاں کی شاعری خانہ نشین ہے جو اپنی ذات میں ایک انجمن اور اپنے غم میں ایک رتجگا ہے۔

روز کا مشاہدہ ہے کہ سورج کرنوں کا تاج پہنے طلوع ہوتا ہے اور خون تھوک کر غروب ہو جاتا ہے۔ چاندنی راتیں سبزے کی پلکوں پر آنسو ٹانک کر رخصت ہوتی ہیں لیکن رابعہ نہاں نے اپنے غم کی رُت کو برسوں سے خانہ نشین کر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ سر سے پاؤں تک غم میں لتھڑی ہوئی ایسی تصویر ہے جو نہیں جانتی کہ ہر تصویر کو دیکھنے والا بھی درکار ہے، حالانکہ اس کا انتظار لاشعوری طور پر اشعار کی صورت اختیار کر گیا۔ اب تک اس کے خواب ویران اور نگاہوں کا دالان سنسان پڑا ہے۔

اس کا چہرہ بے سروسامان نہیں لیکن آفتاب و ماہتاب کی کرنیں تو چہروں پر ہی نہیں در و دیوار اپنے نقشِ قدم چھوڑ کر جاتی ہیں، میں نے پہلے دن اس کی پیشانی کا سرورق پڑھا تو میری روح نے اس کا مفہوم سمجھ لیا، لیکن الفاظ کی دنیا میں سناٹوں کے علاوہ کچھ نہ اُگا، اس کی یہ بیاض سامنے آئی تو استفسار کو جی چاہا اور گفتگو کے بعد میرے اندازے پر مہرِ تصدیق ثبت ہوئی۔

دیکھا تو یہ گیا ہے کہ شباب کے سمے جب خون میں فطری لطافت کی چنگاریاں

اور نظر میں قدرتی رنگوں کی دھاریاں سرسرانے لگیں تو محبت خود بخود شاعری کے دریچے کھول دیتی ہے اور خاموشی کے ساتھ رازِ حیات کے دبیز پردے خود بخود پھڑپھڑانے لگتے ہیں۔ ہر چند کہ رابعہ نہاںؔ نے جسم کے تقاضوں کو محرومی کی خوشبو اور آنسوؤں کی لَو سے بہلالیا لیکن شاعری اپنا دریچہ کھول کر مانی اور زبان پر روح کی تلخی کے شکوے آکر رہے، اب انھیں غزل کہیں یا نظم، قطعے کا نام دے دیں یا رباعی کا، بات وہی ہے جو میں اوپر لکھ آیا ہوں، میرا پیش لفظ اور رابعہ نہاں سے بالمشافہ گفتگو ادب کے کئی نئے باب کھولے گی اور انشاء اللہ یہ کتاب مقبول ہوگی۔

۱۹ر فروری ۱۹۷۸ء دانش آباد

۳۷- انار کلی- لاہور

ماہر القادری

۲

پہلے یہ عرض کر دوں کہ "برگِ سُخن" پر "فاران" میں نقد و تبصرہ نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ اس پر میں "پیش لفظ" لکھ رہا ہوں! کتابوں پر دیباچے، مقدمے، تعارف اور پیش لفظ، تحسین آمیز ہی ہوتے ہیں، اسی رسم کو میں نے نباہا ہے!

احباب کی بے تکلّف صحبت میں جہاں عورتوں کی شاعری کا ذکر چھڑ گیا تھا، اللہ بخشے حضرت جگر مراد آبادی نے بڑی حکمت آمیز بات کہی تھی:-

"عورت تو خود شعر کا موضوع ہے وہ کس پر شعر کہے گی"

مگر ہوتا یہی رہا ہے کہ ہر دور میں صنفِ نازک نے شعر کہے ہیں اور اپنے جذبات، محسوسات اور خیالات کو منظّم کیا ہے! عورت موزوں طبع ہوگی تو وہ شعر بھی ضرور کہے گی۔ یہ آبشار خود اس کے روکنے سے بھی نہیں رُک سکتا۔

حُسن و عشق غزل کا موضوع ہیں۔ مرد ہو یا عورت جو کوئی غزل کہے گا وہ حُسن و عشق سے متعلق استعارے، تشبیہیں اور اشارے، کنائے بھی ضرور استعمال کرے گا! حُسن و عشق کے معاملات میں ذاتی تجربوں کا ہی نہیں، روایات، سُنی سُنائی باتوں اور تخیّل و تصوّر کا بھی خاصا دخل ہوتا ہے۔ جہاں اُستاد نواب مرزا داغ دہلوی کے آغازِ شباب کا شعر ہے ؎

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

یہ شاعر کے محض تخیل و تصوّر کی "حاشیہ" آرائی ہے۔ واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آج تک کسی حسین شخص نے اپنے سامنے شمع رکھ کر ایسا تجربہ نہیں کیا۔ مگر شعر اپنی جگہ کس قدر جاندار اور لطف انگیز ہے!

محترمہ رابعہ نہاںؔ کی غزلوں میں غمِ دوراں کے ساتھ غمِ جاناں بھی ملتا ہے۔ راقم الحروف نے اس کے بارے میں یہی حسنِ ظن قائم کیا ہے کہ یہ محض روایتی ہے یا پھر اس کا تعلق کسی جائز و مقدّس رشتے سے ہے! اسی حُسنِ ظن کے سہارے میں نے "برگِ سخن" پر پیش لفظ لکھنے کی ہمت کی ہے۔

رابعہ نہاںؔ کا کلام رسالوں میں پڑھا کم ہے مگر مشاعروں میں سُنا زیادہ ہے! "بنگلہ دیش" کے خونیں حادثہ سے پہلے مشرقی پاکستان میں ہر سال مشاعرے ہوتے تھے۔ ڈھاکہ، چٹاگانگ اور کُھلنا کے بعد جناب حبیبؔ انصاری کے دولت کدے پر محفل جمتی تھی۔ ان تمام نشستوں میں رابعہ نہاںؔ شریک ہوتیں اور اپنا کلام سُناتیں۔ وہ جو امیرؔ مینائی نے فرمایا ہے ع

سو بوتلوں کا نشہ ہے اک واہ واہ میں

مگر رابعہ نہاںؔ واہ واہ کے نشّے سے چور نہیں ہوئیں! ورنہ ان آنکھوں نے داد و ستائش کے تھوڑے سے نشّے سے بعض شاعروں کو بہکتے اور آپے سے باہر ہوتے دیکھا ہے۔

رابعہ نہاںؔ حضرتِ ثاقبؔ لکھنوی اور مشہور اُستادِ فن جناب بیانؔ و یزدانی میرٹھی سے نسبی تعلق رکھتی ہیں اس لئے یہ کہنا بجا ہوگا کہ محترمہ نے ایسے علمی و ادبی گھرانے میں پرورش پائی ہے جہاں شعر و سخن کے پائیں باغ اُگے ہوئے تھے۔ انھوں نے خود کہا ہے ؎

میں نے اپنوں سے کیا ہے شاعری میں کسبِ فن
میری پروازِ تخیل ہے بیاںؔ کا راستہ

رابعہ نہاں کی غزلوں میں گھن گرج نہیں۔ نغمگی پائی جاتی ہے۔ اُن کا لب و لہجہ نرم و نازک ہے، رابعہ نہاں کی شاعری میں سوز و درد دھیمی آنچ کی طرح ہے۔ اُن کے شعروں کے در و بست میں ژولیدگی نہیں سلجھاؤ ملتا ہے! اُن کی غزل کا یہ مطلع ؎

حقیقتیں تھیں جو کل، آج ہیں وہ افسانے
بدلتے جاتے ہیں فکر و نظر کے پیمانے

معاشرے پر طنز ہے اور صرف طنز ہی نہیں حقیقت کی ترجمانی بھی ؎

میں بجھانے کو ہوں تیار چراغِ ہستی
اس توقع پہ کہ آئے گی سحر میرے بعد

اس شعر میں کس قدر مخلصانہ جذبۂ ایثار پایا جاتا ہے!

کیا درمیانِ خالق و مخلوق فرق ہے
اتنی تو آگہی ہو کہ بندہ نہ بھول جائے

اس شعر میں نعرۂ "انا الحق" کی حسین انداز میں تردید کی گئی ہے! عبد و معبود اور خالق و مخلوق کو ایک سطح پر لے آنا ایمان و یقین کی ٹریجڈی ہے، غیرتِ توحید اسے برداشت نہیں کر سکتی ؎

وہ آبشارِ غم مری آنکھوں سے ہے رواں
ڈرتی ہوں آئینہ مرا چہرہ نہ بھول جائے

"آئینہ کا چہرہ کو بھول جانا" غم کی یہ تعریف اچھوتی اور اثر انگیز ہے۔

دلِ محروم کی قسمت میں نہ تھا لُطفِ بہار
آرزوؤں کے بہت باغ لگائے ہم نے

یہ شعر آرزوؤں کی بے ثباتی اور بے حاصلی کا ترجمان ہے! باغ لگانے والا لُطفِ بہار

ہی سے محروم رہے تو یہ کتنے دُکھ کی بات ہے ؎

اب عداوت کا گلہ ہے نہ مروّت کی اُمید
یعنی سب دیکھ لئے اپنے پرائے ہیں نے

اس شعر میں لُطفِ بیان بھی ہے اور لُطفِ زبان بھی !

اے چشمِ اشکبار ترا معجزہ ہے یہ
ڈوبا جو ایک چاند تو اُبھرے ہزار چاند

اصغرؔ گونڈوی نے آنسو کو "ستارہ" کہا ہے ؎

کیا مرے حال پہ سچ مچ اُنھیں غم تھا قاصد
تو نے دیکھا تھا ستارہ سرِ مژگاں کوئی

مگر رابعہ نہاںؔ نے اس "ستارے" کو چاند بنا دیا۔

ساری دُنیا کو خفا کر کے تمہیں پایا ہے
تم نہ دُنیا کی طرح مجھ سے خفا ہو جانا

اس شعر میں اس قدر تاثیر ہے جو روٹھنے والے محبوب کو روٹھنے اور خفا ہونے سے شاید باز رکھ سکتی ہے ؎

دل کی خوشی کے واسطے کتنے جتن کیے
اس خانماں خراب کی حالت وہی رہی

یہ "آپ بیتی" بھی ہے اور جگ بیتی بھی !

آلامِ روزگار کے پردے میں اَے نہاںؔ
اپنے ہی درد سے مجھے وابستگی رہی

یہ وہ "عامۃ الورود خود غرضی" ہے جس میں ہر شخص مبتلا ہے۔ یعنی اس دُنیا میں ہر آدمی اپنے ہی دُکھ درد سے سروکار رکھتا ہے ؎

خُشک ہوئے آنکھوں میں آنسو
کب تک یہ انگارے بہتے

آنسوؤں کی "بہتے ہوئے انگاروں" سے تشبیہ دوشیزہ (اور بیجل) تشبیہ ہے ؎

ہم آبلہ پاؤں کو جو منزل نظر آئی!
پھر چل دیئے منہ پھیر کے منزل کی طرف سے

اور وہ اس لئے ع

"اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے" (اقبالؔ)

جگرؔ مراد آبادی نے اس خیال کو غزل کی زبان میں اور زیادہ اثر انگیز بنا کر پیش کیا ہے ع

اے عشق بتا اب کیا ہوگا کہتے ہیں کہ منزل دور نہیں

مگر رابعہ نہاںؔ کے اس مصرع

پھر چل دیئے منہ پھیر کے منزل کی طرف سے

کا اور ہی ٹھاٹ ہے!

یہ کس کو ہے معلوم کہ اشعار ہیں میرے
پیغام ترے دل کو مرے دل کی طرف سے

دوسرے مصرع کی سادگی اور اثر انگیزی کا کیا کہنا، پڑھیئے اور دل کی کسک سے لطف اندوز ہوجیئے ؎

انگڑائیاں لیتے ہوئے آئے مرے دل میں
گزرے ہوئے لمحے تری محفل کی طرف سے

بیتے ہوئے، خوشگوار لمحوں پر حسرت انگیز تبصرہ :

وہ مل بھی جائیں تو اب اعتبار مشکل ہے
کہ دل نے ہجر کے صدمے بہت اُٹھائے ہیں

ایران کے غیر معروف مگر بلند پایہ شاعر نوعی کا ایک شعر ہے ؎

ز دوست غیر خیالے ندیدم و ترسم
کہ دوست بینم و گویم بدوست ، ماند است

اُردو میں یہ خیال رابعہ نہاں کے علاوہ اور کسی شاعر کے یہاں دیکھنے میں نہیں آیا۔ پھر غم ہجر کی شدت کی جو تعریف کی ہے اُس میں کتنی انفرادیت پائی جاتی ہے ؎

شاید کہ مرے خواب کی تعبیر یہی تھی
دیکھا تھا کوئی خواب کہ مجھ کو نہ رہا یاد

اس شعر کا لطف ذوق اور وجدان ہی لے سکتے ہیں ! وہ خواب جو یاد نہ رہا اور اُس کا یاد نہ رہنا ہی خواب کی تعبیر ہو..... تو.....!؟

مجھے کام کیا خوشی سے مجھے درد ہی بہت ہے
غمِ زندگی سلامت ، غمِ زندگی بہت ہے

"غمِ زندگی سلامت" کہہ کر شاعرہ نے بہت کچھ کہہ دیا ! یہ اجمال اپنے اندر بڑی تفصیل رکھتا ہے

دل وہ بیتاب کہ ٹھہرے تو کہاں کا جینا
غم وہ جوہر کہ ہے دراصل حقیقت میری

غم اور بے تابیِ دل کی یہ تفسیر سوز و درد کا مرقّع ہے !

ترے دامن کو بھر دوں موتیوں سے
تقاضا ہے یہ میری چشمِ نم کا

عشق کا یہ وہ بلند و بالا مقام ہے جہاں وہ حُسن پر بھی کرم کرنے کا داعیہ رکھتا ہے

دل کو بھی گلہ ہے تو مقدر سے گلہ ہے
اُس عہد فراموش پہ الزام نہیں کیوں

اس شعر کا طلسم "عہد فراموش" میں بند ہے!

لے دے کے وہی مشورۂ ترکِ محبت
ناصح کو زمانے میں کوئی کام نہیں کیوں

خیال نیا نہیں ہے مگر اندازِ بیان نے شعر میں لطف پیدا کر دیا

دل میں شعلے ہیں آنکھ میں آنسو
مرحبا! ساتھ آگ پانی کا

یہ شعر ایک بار سُن کر یا پڑھ کر یاد رکھنے کا مستحق ہے ؎

ہر دم دمِ واپسیں ہے اے دوست
اب میرا نہ انتظار کرنا

غزل کا یہ "ایجاز" نظم کے اطناب پر بھاری ہے! اگر کوئی شخص کسی کو یہ شعر میر تقی میر سے منسوب کر کے سُنا دے، تو سُننے والا اسے میر کا شعر سمجھ کر سر دُھنے گا!

دُنیا سے طبیعت ہے کچھ اُکتائی ہوئی سی
ہستی کی کہانی تو ہے دہرائی ہوئی سی

دُہرائی ہوئی کہانی کو سُن کر اُکتاہٹ ہی محسوس ہوتی ہے، شاعرہ نے دُنیا سے طبیعت کے اُکتانے کا سبب مصرعِ ثانی میں بیان کر دیا ہے! اسے کہتے ہیں دعویٰ مع ثبوت!

دل میں گونجی وہ صدائے دلنواز
خامشی آواز لے کر آ گئی

یہ شعر رابعہ نہاں کے فکر و فن کا اچھا تعارف ہے، مصرعِ ثانی خوب نہیں خوب تر ہے!

جلوے کچھ پائے تو وہ اپنے ہی دل میں پائے
ورنہ اس دھن میں بہت آئینہ خانے ڈھونڈے

یہی وہ چیز ہے جسے صوفیا کی اصطلاح میں معرفتِ نفس اور علامہ اقبال کی زبان میں "عرفانِ خودی" کہتے ہیں ؎

شانے کو دل فگار جو دیکھا تو زلف نے
کچھ اور اپنا حال پریشاں بنالیا

زلف کی نسبت سے "حالِ پریشاں" نے شعر میں کتنی ہمواری اور جان پیدا کردی!

زندگی کا مسئلہ اور وقت کی اُلجھن نہ پوچھ
جس قدر سلجھاؤ اُتنا ہی اُلجھتا جائے ہے

فانی بدایونی کی غزل کا مطلع اسی موضوع پر غیر فانی ہے ؎

اِک معمّہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

مگر رابعہ نہاں نے "وقت کی اُلجھن" کہہ کر اِس مسئلہ کو اور زیادہ وضاحت کا روپ دے دیا ہے:

دنیا مجھے اک خواب پریشاں سا لگے ہے
آئینہ بھی دیکھوں تو وہ حیراں سا لگے ہے

دنیا کا خواب کی طرح پریشان لگنا اور اُس کے ثبوت میں آئینہ کی حیرانی، اسے کہتے ہیں دونوں مصرعوں میں "ربطِ تام"! دعوے کے ساتھ دلیل بھی موجود!

کبھی چپ چپ، کبھی اُداس اُداس
اور اب کیا رہا ہے میرے پاس

مگر یہ افلاس و ناداری اور بے سروسامانی ہی محبّت کی متاعِ گرانقدر ہے جس کے سامنے قہقہے، چہچہے اور بزم آرائیاں نقشِ بے رنگ نظر آتی ہیں!

محرومِ التفات کہاں تک کوئی رہے ۔۔ تکلیف دیجیے ستمِ گاہ گاہ کو

نہ کرم اور نہ ستم یہ بے تعلقی کی زندگی قیامت ہے، "ستم" میں پھر ایک طرح کا تعلق پایا جاتا ہے۔ اسی کو رابعہ نہاں نے "التفات" کہا ہے! شعر میں لطف کی بات یہ ہے کہ محبوب سے زحمت کرنے کی درخواست نہیں کی گئی بلکہ یوں کہا ہے ع

تکلیف دیجیے، ستم گاہ گاہ کو

یہ اندازِ بیان بڑا اثر انگیز ہے۔

غزل کی زبان میں رابعہ نہاں نے کہیں کہیں دین و اخلاق کی تبلیغ بھی کی ہے ؎

فلاحِ ملک و ملت مقصدِ کون و مکاں ہو کر
ہمیں جینا ہے بُت خانے میں آوازِ اذاں ہو کر

جو زندگی "آوازِ اذاں" ہو گی وہ کس قدر مقدس اور انقلابی زندگی ہو گی!

روشن لہو سے حق و صداقت کی شمع کر
اپنے صریرِ خامہ کو بانگِ اذاں بنا

"صریرِ خامہ" کا "بانگِ اذاں" بن جانا قرطاس و قلم کی معراج ہے!

"برگِ سخن" میں نشاط و مسرت کی جھلکیاں کہیں کہیں نظر آئیں، زیادہ تر درد و غم ہی کو شعروں میں مجسم پایا۔ رابعہ نہاں نے خود کہا بھی ہے ؎

جسے کہتی ہے دُنیا شادمانی
وہ اِک بدلا ہوا نقشہ ہے غم کا

میں یہ نہیں کہتا کہ غم کی ترجمانی میں رابعہ نہاں نے میر اور فانی کی قدم بہ قدم پیروی کی ہے! شاعرہ کے اپنے قلبی واردات ہیں جو شعر کے قالب میں ڈھل گئے ہیں! ہاں! یہ زمانہ کی ریت ہے کہ چراغ سے چراغ سدا جلتے رہے ہیں۔

"برگِ سخن" کے متعدد مقامات پر میرے وجدان نے کھٹک محسوس کی، اس

لئے میں اس مبالغہ کا الزام اپنے سر لینے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ رابعہ نہاں کا کلام کمزوریوں سے یکسر پاک ہے۔ اور نہ وہ خود اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ انسانوں کے کاموں میں تھوڑی بہت تو کسر رہ ہی جاتی ہے۔ بے عیب اللہ اور رسول کا کلام ہے۔

راقم الحروف نے "برگِ سخن" سے جو اشعار منتخب کئے ہیں انھیں پڑھ کر شاعرہ کے فکر و فن کا جو "امیج" قائم ہوگا وہ قارئین کو کیا عجب ہے کہ اس عالم میں پہنچا دے ع

محسوس یہ ہُوا کہ گلستاں میں آگئے

یکم نومبر ۱۹۷۶ء — مدیر ماہنامہ "فاران" کراچی

عطا حسین کلیم

۳

رابعہ نہاں اُس علمی و ادبی خانوادے سے تعلق رکھتی ہیں جو تقسیمِ ملک کے بعد میرٹھ سے پاکستان آ کر راولپنڈی میں آباد ہوا۔ قابلِ رشک علمی ماحول اور شعراء کی بُہتات کی وجہ سے اس خاندان کو شاعروں کا خاندان کہا جاتا ہے یوں بھی میرٹھ کی شعر پرور زمین نے بیاں میرٹھی، عیاں میرٹھی، ندرت میرٹھی، ساغر نظامی، ڈاکٹر سیّد صفدر حسین، پروفیسر رزمی صدیقی، نخشب جارچوی اور بوم میرٹھی (اگر اُن کا ذکر ان عظیم ہستیوں کے ساتھ قابلِ اعتراض نہ ہو) اور نیر اکبر آبادی جیسے عظیم شاعر پیدا کئے ہیں۔ رابعہ نہاں کی شاعری اسی ادبی ماحول میں پروان چڑھی ہے۔ شاید عورتوں میں شعر کا ذوق رابعہ نہاں نے ورثے میں پایا ہے۔ جناب نیر اکبر آبادی کی والدہ ایک عظیم شاعرہ تھیں جنھوں نے اپنے فن کو مدحتِ امامؑ اور اہلِ بیت کی توصیف کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ وہ قادر الکلام بھی تھیں اور نکتہ سنج بھی۔ ان کا ایک شعر دیکھئے ؎

آج بھی شہ کے لئے سینہ سپر ہیں عباسؑ
تعزیے اُٹھتے ہیں جب آگے علم ہوتا ہے

شعر پرور ماحول تو میسّر تھا ہی گھر میں دن رات شاعری کے تذکروں اور اُن کے مرحوم بھائی فخرالاسلام کے ادبی ذوق نے اسے جلا دے دی جو ایک ذہین، علم دوست اور سخن فہم شخص تھے۔ وہ جوانی میں بہن کو داغِ مفارقت دے گئے۔ شاید

رابعہ نہاں کے کلام میں فانی کی یاسیت اور میر کا سوز و گداز اسی المیئے کا نتیجہ ہے۔ راولپنڈی جسے ضیا، عبدالعزیز فطرت، یوسف ظفر، انجم رضوانی اور باقی صدیقی کی جنم بھومی ہونے کا فخر حاصل تھا، مہاجر شعرا کی آمد کے بعد کراچی اور لاہور کو چھوڑ کر ملک کا سب سے بڑا علمی اور ادبی مرکز بن گیا تھا۔ مشاعرے کی روایت اردو ادب کا ایک، ناقابلِ فراموش حصّہ ہے۔ یوں سمجھئے کہ اردو شاعری کو زندہ رکھنے میں اس برصغیر میں مشاعرے نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

راولپنڈی میں ۱۹۵۰ء کے بعد بڑے عظیم الشان مشاعرے منعقد ہوئے شعرا حضرات کے ساتھ شاعرات کی بھی ایک بڑی تعداد راولپنڈی میں موجود تھی۔ جن میں ادا جعفری، رشیدہ سلیم سیمیں، صفیہ شمیم ملیح آبادی، زہرا نگاہ، رابعہ نہاں، ربیعہ فخری اور پروین سید فنا شامل تھیں۔ قاعدہ ہے کہ کمزور یا زرد پتے طوفانوں اور جھکڑوں کا مقابلہ نہیں کر پاتے اور وقت سے پہلے ہی گر کر بکھر جاتے ہیں۔ بیشتر شاعرات کا یہی مقدّر رہا۔ اب راولپنڈی کے ادبی اُفق پر ادا جعفری، پروین فنا اور رابعہ نہاں تو موجود ہیں باقی شاعرات یا تو گوشہ نشین ہو چکی ہیں یا ع

مارا زمانے نے اسد اللہ خاں تجھے!

کے مصداق اپنی اُلجھنوں میں گرفتار ہیں۔ ادب دوست حضرات اکثر سوچتے اور پوچھتے ہیں

ع : وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں

رابعہ نہاں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کھاتے پیتے گھرانے کی فرد ہیں۔ لیکن ہجرت نے وہ شان و شکوہ باقی نہ رہنے دی۔ رابعہ کی شاعری کو غمِ دوراں یہیں سے ملا ہے۔ فخر الاسلام کی موت نے نہاں کے کلام میں وہ لازوال کسک پیدا کی جو اُن کی شاعری کی جان ہے۔ کبھی ترنم میں شعر پڑھتی تھیں لیکن بعد میں تحت اللفظ کو اپنا لیا جو آج تک قائم ہے۔ غزل کا روایتی سوز و گداز اور ندرتِ خیال، بامحاورہ زبان، صنائع اور بدائع

کا بر محل استعمال تو نہاںؔ کو میسّر تھا ہی، مشاعروں اور ادبی محفلوں میں شرکت اور کثرتِ مطالعہ نے بھی موجودہ غزل کا حسن رابعہ نہاںؔ کے کلام کو عطا کر دیا۔

رابعہ نہاںؔ کی شاعری میں دو رویّے بہت نمایاں ہیں۔ اوّل جذبہ یا طلب، اور دوم اپنی ذات کا ایقان۔ اوّل الذکر رویّہ اتنا عیار ہے کہ بسا اوقات شاعر کو غیر ارادی طور پر انفعالیت کے قریب تر پہنچا دیتا ہے۔ نتیجتاً شاعر اور قاری دونوں ترنیم کش کی لذت میں کھو کر رہ جاتے ہیں، اور جذبہ جو فی نفسہٖ تحرّک سے عبارت ہے، شعر کے قالب میں ڈھل کر ماند پڑ جاتا ہے۔ اسی لئے اکثر ناقدینِ فن اِسے کارگرِ شیشہ گری سے تعبیر کرتے ہیں۔ جذبہ اگر فعّال ہے تو وہ زندگی کی جن قدروں کا بھی احاطہ کرے گا اُنھیں آگے بڑھانے میں لازماً مدد دے گا اور کسی نہ کسی کائناتی صداقت کا غماز ہو گا۔ یہ بات بھی دھیان میں رکھنی چاہیئے کہ کائناتی صداقتیں یونہی القائیں ہو جاتیں۔ جو لوگ جذبے کو عمل یا تجربے سے الگ کوئی غیر مرئی چیز سمجھتے ہیں وہ دراصل جذبے ہی کی نفی کرتے ہیں۔ جذبہ داخلی و خارجی دونوں عوامل سے جنم لیتا ہے اور سابقہ انفرادی یا اجتماعی تجربات ہی کی روشنی میں داخلی و خارجی عوامل کی تقویت کا باعث بنتا ہے۔ چنانچہ رابعہ نہاںؔ کے ہاں بھی جذبہ اسی پہلو سے اُبھرتا ہے۔ مثال کے طور پر اُن کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے ؎

راہ خود رہروِ ہستی کو لئے پھرتی ہے
تاب چلنے کی نہ موقع ہے ٹھہر جانے کا

یہاں راہ سے مُراد وہی فعّال جذبہ ہے جو راہرو کو گامزن رہنے پر اُکساتا رہتا ہے۔ اسے منزل کا تجسس بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ ایک ایسی طلب ہے جو راہرو کو چلنے کی تاب نہ رکھنے کے باوجود ٹھہرنے نہیں دیتی۔ علاوہ ازیں یہ شعر اُس کائناتی صداقت کو بھی اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے جو بقول مولانا حسرتؔ موہانی ع

ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے

کی نشاندہی کرتا ہے اور یہی رابعہ نہاںؔ کے کلام کا حُسن ہے۔

ثانی الذکر رویہ جیسا کہ گذشتہ سطور میں بیان کر چکا ہوں، اپنی ذات کے ایقان سے عبارت ہے۔ یہ رویہ بالعموم اُن شعراء کے ہاں پایا جاتا ہے جو کچھ کر گزرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں مثلاً ؎

میں بُجھانے کو ہوں تیار چراغِ ہستی
اس توقع پہ کہ آئے گی سحر میرے بعد

یا

وہ پاس تھے تو کون سا لمحہ سکوں کا تھا
اُٹھے بھی وہ تو ایک قیامت اُٹھا کے ساتھ

یہ اپنی ذات پر اعتماد کے دو پہلو ہیں۔ پہلے شعر میں تو وہی کچھ کر گزرنے کا عزم ہے اور سحر کی روشنی کے لئے، جو اجتماعی بیداری، عمل اور خیر و فلاح کی علامت ہے اپنا چراغِ ہستی بجھا دینے پر آمادگی کا اظہارِ جلی ہے اور دوسرے شعر میں اپنی ذات پر اعتماد و یقین کا اظہارِ خفی ہے کہ وصل و فراق، دونوں کیفیتیں شاعرہ کی ذات کو متاثر نہیں کرسکتیں۔ اُسے قرب کی حالت میں قرار میسر نہ آنے کا یقین تھا اور بُعد کی حالت میں بھی ہیجان و اضطراب اُس کے نزدیک کوئی انوکھا یا غیر معمولی تجربہ نہ تھے۔ یہ بے حد دلآویز شعر ہے جس میں قربت و فرقت کی کیفیتوں کا اظہار بھی فنکارانہ اسلوب میں موجود ہے اور اپنی ذات کے سوزِ مدام کی طرف بھی لطیف پیرائے میں اشارہ ملتا ہے۔

شاعر کے تجربوں کی دُنیا بڑی انوکھی ہوتی ہے۔ یہاں وصل میں شوق کے زوال کا بھی اندیشہ دامنگیر رہتا ہے اور ہجر میں بے دست و پا ہونے کو بھی جی نہیں چاہتا لیکن ذرا غور کیجئے تو یہ دونوں رویّے ایک ہی کیفیت کے دو مختلف نام ہیں۔

زبان کے مقامی محاورے ہجرت کے بعد زیادہ دیر تک نہ چل سکے کہ اس نئے ماحول میں اُن کی گنجائش نہ تھی۔ نئی تراکیب اور خوبصورت استعارے جو رابعہ نہاں کے کلام میں جا بجا نظر آتے ہیں اُن کی طبیعت کی اُپج، کثرتِ مطالعہ اور ترقی پسندی کے مظہر ہیں۔ یہ مجموعہ جو شاید نامساعد حالات کی وجہ سے آج تک شائع نہ ہو سکا اس سے بہت پہلے منظرِ عام پر آجانا چاہیئے تھا۔ "برگِ سخن" میں رابعہ نہاں کا ابتدائی کلام بھی موجود ہے لیکن اس میں نعتیں سلام اور نوحے شامل نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں شعر کہنے والی خواتین ابھی تک انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ یہ خوبصورت مجموعہ اہلِ علم کی توجہ کا مرکز بنے گا اور علم دوست حضرات اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

اب چند جواہر ریزے آپ بھی ملاحظہ فرمالیں جو ممکن ہے رابعہ نہاں کے شعری مزاج اور میرے موقف کی نشان دہی میں مدد دے سکیں ؎

مل جائے گی وہ جنّتِ ایامِ گم شدہ
آوارگانِ کوئے طلب جاگتے رہو

حقیقتیں تھیں جو کل آج ہیں وہ افسانے
بدلتے جاتے ہیں فکر و نظر کے پیمانے

وہ ایک لہر تھی آئی بھی اور چلی بھی گئی
نہ اب وہ رات نہ وہ شمع ہے نہ پروانے

نہ ہوا کی کوئی آہٹ نہ قدم کی کوئی چاپ
کتنی سونی ہے تری راہ گزر میرے بعد

نفس نفس پہ ہے پہرہ یہاں خموشی کا
یہ کس مقام پہ تو شامِ نغمگی آئی

اُداس گھر کے اندھیروں کو ضوفشاں کرنے
بدن چرائے ہوئے دن کی روشنی آئی

کیا درمیانِ خالق و مخلوق فرق ہے
اتنی تو آگہی ہو کہ بندہ نہ بھول جائے

وہ آبشارِ غم مری آنکھوں سے ہیں رواں
ڈرتی ہوں آئینہ مرا چہرہ نہ بھول جائے

مر کے بھی دیکھیں وہاں ہوتا ہے کیونکر جینا
زندگی یاں تو ترا رونا ہے گھر گھر کیا کیا

وہ میرے ساتھ ساتھ بھی ہیں دُور دُور بھی
چلتا ہو جس طرح کوئی دامن بچا کے ساتھ

یہ حادثوں کی زد پہ اُمیدوں کے قافلے
یہ زندگی کی آنکھ مچولی قضا کے ساتھ

اب دل کو کیا کہیں یہ مُقدّر کی بات ہے
لائے تھے ہم یہ روگ ازل سے لگا کے ساتھ

جب اُمیدیں تمام ہوتی ہیں
تب کہیں جا کے صبر آتا ہے

وقت ہر غم کا مداوا ہے مگر رہ رہ کر
دل میں اک درد جو اُٹھتا ہے یہ کیوں ہوتا ہے

دلِ محروم کی قسمت میں نہ تھا لطفِ بہار
آرزوؤں کے بہت پھول کھلائے میں نے

اب عداوت کا گلہ ہے نہ مروّت کی اُمید
یعنی سب دیکھ لئے اپنے پرائے میں نے

اے چشمِ اشکبار ترا معجزہ ہے یہ
ڈوبا جو ایک چاند تو اُبھرے ہزار چاند

فاصلے کم ذرا نہیں ہوتے
گردشِ چرخ فتنہ جُو ہے وہی

ساری دنیا کو خفا کر کے تمہیں پایا ہے
تم نہ دنیا کی طرح مجھ سے خفا ہو جانا

دل کی خوشی کے واسطے کتنے جتن کئے
اس خانماں خراب کی حالت وہی رہی

خشک ہوئے آنکھوں میں آنسو
کب تک بہتے درد کے دھارے

مجھے کام کیا خوشی سے مجھے درد ہی بہت ہے
غمِ زندگی سلامت، غمِ زندگی بہت ہے

دل وہ بیتاب کہ ٹھہرے تو کہاں کا جینا
غم وہ جوہر کہ ہے دراصل حقیقت میری

زر و گوہر کے لئے ہوتی ہے دامن کی تلاش
نازِ دامن بھی اُٹھاتی نہیں غیرت میری

ترے دامن کو بھر دوں موتیوں سے
تقاضا ہے یہ میری چشمِ نم کا

دل کو بھی گِلہ ہے تو مقدّر سے گِلہ ہے
اُس عہد فراموش پہ الزام نہیں کیوں

لے دے کے وہی مشورۂ ترکِ محبت
ناصح کو زمانے میں کوئی کام نہیں کیوں

دل میں شعلے ہیں آنکھ میں آنسو
ہائے یہ ساتھ آگ پانی کا

ہر دم دمِ واپسیں ہے اے دوست
اب میرا نہ انتظار کرنا

زندگی کا مسئلہ اور وقت کی اُلجھن نہ پوچھ
جس قدر سُلجھاؤ اتنا ہی اُلجھتا جائے ہے

اُمید ہے اربابِ سُخن "برگِ سخن کی کما حقہٗ پذیرائی کریں گے۔

۲۳ مئی ۱۹۷۷ء

"المصدق" لیاقت روڈ
راولپنڈی

ربیعہ فخری

○

محترمہ رابعہ نہاں کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ گزشتہ تیس برس سے مسلسل شعر کہہ رہی ہیں اور اُن کا کلام ادب دوست حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ پاکستان کی کوئی شعری نشست اُن کی شرکت کے بغیر مکمل نہیں سمجھی جاتی۔ اس کی وجہ فن کے سلسلے میں اُن کا خلوص اور محنت ہے۔ میری اُن کی ملاقات کوئی رُبع صدی پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس طویل عرصے میں میں نے کبھی اُن پر جمود طاری نہیں دیکھا۔ باوجود خرابیٔ صحت کے وہ مسلسل کہتی رہیں اور ادبی محفلوں میں شرکت کے لئے آتی رہیں۔ وہ بچپن سے لے کر آج تک نہایت خلوص، انہماک اور لگن کے ساتھ گُلشنِ ادب کی آبیاری میں مصروف ہیں اور بلندیٔ افکار اور ندرتِ خیال کے ساتھ ساتھ پیرایۂ اظہار اور شیرینیٔ بیان کی طرف خاص توجّہ دیتی ہیں۔ بلینک ورس اور آزاد نظم کو وہ سہل انگاری اور ذہنی کھولت سمجھتی ہیں اور ادب میں وہ کسی قسم کی سہل انگاری کو جگہ دینے کے لئے تیّار نہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ اگر دریا کو کوزے میں بند نہ کیا جائے تو وہ فن کیا ہوا اور فنکار کی عظمت کیا ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی مشکل پسند طبیعت نے اپنے جذبات و خیالات کے اظہار کے لئے غزل کا انتخاب کیا۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ اُنھوں نے نظم کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ اُنھوں نے بے شمار نظمیں کہی ہیں۔ حمد، نعت، نوحہ، تو خیر اُن کے محبوب ترین موضوعات ہیں لیکن ان کے علاوہ اُنھوں نے قومی موضوعات پر بھی بہت کچھ لکھا ہے جو ریڈیو

اور ٹی وی سے نشر ہو چکا ہے اور ادبی رسالوں کی زینت بن چکا ہے۔ مگر اس کے باوجود جو رغبت اُن کو غزل سے ہے کسی اور صنفِ سخن سے نہیں ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے سب سے پہلے اپنی غزلیات کو منظرِ عام پر لانے کا اہتمام کیا ہے۔

زیرِ نظر مجموعے "برگِ سخن" میں اُن کی تقریباً سو غزلیات شامل ہیں۔ یہ تمام غزلیات اُن کی مشکل پسندی اور دقتِ نظر کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اُنھوں نے اندازِ بیان میں کہیں جھول نہیں آنے دیا۔ اساتذہ کی زمینوں میں شعر کہنا نہایت خود اعتمادی کی بات ہے۔ نہاںؔ صاحبہ نے اساتذہ کی زمینوں میں بھی غزلیں کہی ہیں اور اس معیار کی کہی ہیں کہ ان پر کسی پہلو سے بھی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

زندگی کا مسئلہ اور وقت کی اُلجھن نہ پوچھ
جس قدر سلجھاؤ اتنا ہی اُلجھتا جائے ہے

رابعہ نہاںؔ صاحبہ سہل ممتنع اندازِ بیان کی قائل ہیں۔ وہ ہر خیال کو جذبات کی بھٹی میں پگھلا کر صیقل کر لیتی ہیں اور پھر وہ خیال اُن کی طبیعت کا اس حد تک جزو بن جاتا ہے کہ ایک وقت بے ساختہ اُن کے قلم سے ٹپک پڑتا ہے ؎

لفظ و معنی کو کچھ خبر نہ ہوئی
رنگ اظہار کے نکھر بھی گئے

یہی وجہ ہے کہ اُن کی غزلوں میں والہانہ پن پایا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

تاریکیِ خیال میں رقصاں ہے ایک یاد
جس طرح چاند کھیل رہا ہو گھٹا کے ساتھ

دل وہی دل کی آرزو ہے وہی
میری دیوانگی کی خو ہے وہی

ساری دُنیا کو خفا کر کے تمہیں پایا ہے
تم نہ دُنیا کی طرح مجھ سے خفا ہو جانا

زیست کا بار بھی کچھ کم تو نہ تھا عشق کے غم
جانے کیوں مول لئے بیٹھے بٹھائے میں نے

مگر اس وارفتگی کے عالم میں بھی نہاں اپنی اَنا اور خودداری کو فراموش نہیں کرتیں بلکہ وہ دل کی لگن اور کرب کے باوجود منزل پر پہنچ کر بھی وہاں سے لوٹ آنے کا حوصلہ رکھتی ہیں ؎

ہم آبلہ پاؤں کو جو منزل نظر آئی
پھر چل دیئے منہ پھیر کے منزل کی طرف سے

مختصر یہ کہ نہاں صاحبہ خیال اور جذبے دونوں کا یکساں التزام رکھتی ہیں۔ یہ نہیں کہ خیال کی خاطر پیرایۂ اظہار کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں اور اسے جدت قرار دیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ قدامت پسند ہیں۔ اُنھوں نے تنگنائے غزل کے مختصر سے دامن میں اپنے گرد و پیش کے ماحول اور ملک کے حالات کے متعلق اپنے تاثرات کو سمو دیا ہے ملاحظہ ہو :-

میں بجھانے کو ہوں تیار چراغِ ہستی
اس توقع پہ کہ آئے گی سحر میرے بعد

نہاں ان رہروؤں سے کوئی پوچھے
کہاں جانا ہے، آئے ہو کہاں سے

خزاں کی دست درازی کا کیا کریں شکوہ
بہار نے بھی تو گلشن میں ظلم ڈھائے بہت

لبوں پہ جاگ اُٹھا انقلاب کا نعرہ
اسیرِ پنجۂ ظلمت اگر وطن دیکھا

گلزار میں کچھ ایسے بھی گوشے ملے جہاں
عہدِ خزاں کے ظلم و ستم جاگتے رہے

کس قدر سادہ و معصوم ہیں اس دور کے لوگ
اُس کے ہر ظلم کو بھی حُسنِ عطا جانتے ہیں

دیکھوں جو زمانے کو مصائب میں گرفتار
پھر سینۂ کونین تپاں دیکھتا ہوں

مختصر یہ کہ محترمہ رابعہ نہاں کی غزل میں وہ سب کچھ ہے جس کی توقع جدید غزل سے کی جاسکتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنی ادبی روایات کو جدت پسندی کی بھینٹ نہیں چڑھایا۔ وہ غالبؔ کے اس شعر کو اپنا رہنما سمجھتی ہیں اور اسی روش پر قائم ہیں:

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو ؎ بنتی نہیں ہے ساغر و مینا کہے بغیر

اب میں آپ کے اور محترمہ رابعہ نہاں کے درمیان زیادہ دیر حائل نہیں رہنا چاہتی۔ اس لئے اجازت چاہتی ہوں۔

[م جھ ر ل]

ذ

ڈوبتے چ

ناصر زیدی

نازونیاز

حزیں کاشمیری

محبت

حزیں کاشمیری

بربط و جام

عدم

رسم وفا

احمد شجاع پاشا

سورج کی آنکھ

اعجاز فاروقی

وصال

ناصر زیدی

سنگ میل پبلی کیشنز، چوک اُردو بازار، لاہور